بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنْ تَتَّقُوا اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّکُمْ فُرْقَانًا

جمال و حسنِ قرآں نورِ جانِ ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ماہانہ ترجمان

الفرقان

احمد نگر ——— ربوہ

اگست سنہ ۱۹۵۴ء

جلد ۴ — نمبر ۸

چندہ سالانہ
پانچ روپے

قیمت فی پرچہ
آٹھ آنے

ایڈیٹر
ابو العطاء جالندھری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الفرقان

جلد ۴ | بابت ماہ اگست ۱۹۵۴ء | نمبر ۸

فہرست مضامین !

نمبر شمار	نام عنوان	نام مضمون نگار	نمبر صفحہ
۱	مکالمات خلیلؑ (حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اسلوب خطاب)	ایڈیٹر	۱
	ولو تقول علینا بعض الاقاویل .... کی تفسیر (مودودی صاحبان کی غلط تفسیر کا تازہ ترین نمونہ)	"	۹
	قرآن مجید میں عورتوں کے حقوق محفوظ ہیں (حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کا قائم کردہ مسلک)	"	۱۵
	البیان (قرآن مجید کا سلیس اردو ترجمہ تفسیری مفید حواشی کے ساتھ)	ابوالعطاء	۱۷
	حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کی ہندوستان میں تشریف آوری (دو سوال اور ان کے جواب)	جناب شیخ عبدالقادر صاحب - لائل پور	۲۵
	مودودی جماعت پر فتویٰ کفر (مودودی صاحبان کے جوابی موقف پر تبصرہ)	ایڈیٹر	۳۱
	قرآن مجید کی وحی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی مشاہدات کا ایک نمونہ	جناب سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب	۳۳
	مفتی مصر کو اپنے منصب سے فارغ کر دیا گیا۔	ادارہ	۳۹
	آسمانوں پر انسانی زندگی (کیا کوئی انسان بجسدہ العنصری آسمان پر جا سکتا ہے؟ اور وہاں جا کر اسی زمینی جسم کے ساتھ زندہ رہ سکتا ہے؟)	جناب چودھری احمد الدین صاحب پلیڈر - گجرات -	۴۰

(طابع و ناشر ابوالعطاء جالندھری نے خالد پرنٹنگ پریس سرگودھا میں چھپوا کر دفتر الفرقان احمد نگر ضلع جھنگ سے شائع کیا)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

جلد ۴ | الفرقان۔ بابت اگست ۱۹۵۴ء | نمبر ۸

مشکلاتِ قرآنی کا حل

مکالماتِ خلیلؑ

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اسلوبِ خطاب

(۱)

قرآن مجید نے انبیاء علیہم السلام کے ضروری حالات اور ضروری مکالمات ذکر فرمائے ہیں۔ یہ ذکر محض بیانِ تاریخ کی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ ان حالات اور ان مکالمات میں انسانوں کے لئے عبرت کے صدہا سامان ہیں۔ اخلاقی تربیت اور عملی ارتقاء کے بے شمار سبق ہیں۔ ایمان و یقین پیدا کرنے والے اَن گنت معجزات ہیں۔ ان میں بکثرت پیشگوئیاں ہیں۔ غرض یہ بیانات بہت بڑی اہمیت رکھتے ہیں اور ان کے ایک ایک نقطہ پر تدبر کرنا مومن کا فرض ہے۔

ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قرآن مجید میں خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے اور مومنوں کو توجہ دلائی گئی ہے کہ ان کے ذکر پر بار بار غور کیا جائے اور اس ذکر سے نصیحت حاصل کی جائے۔ یہ بات نہایت افسوسناک ہے کہ یہود و نصاریٰ کے بعض سرتاپا غلط قصّوں سے متأثر ہو کر ہمارے مفسّرین نے بھی آیاتِ قرآنیہ کی غلط تفسیر کر ڈالی اور صدّیق اور راستباز ابراہیمؑ کی طرف قرآن مجید کے رُو سے دو جھوٹ منسوب کر دیئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو صِدّیق نبی (راستبازی کا مجسّم نبی) قرار دیا۔ (مریم۔ ۴۱) اور خود حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دُعا کی تھی وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ (الشعراء۔ ۸۴) کہ اے اللہ! آئندہ نسلوں میں میرا ذکر سچائی کے ساتھ قائم رہے اور لوگ مجھے سچا قرار دیتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی وعدہ فرمایا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا (مریم۔ ۵۰) کہ ہم نے حضرت ابراہیمؑ، اسحاقؑ اور یعقوبؑ کے لئے سچا ذکر مقرر کر دیا ہے۔" ان حالات میں سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف خلافِ صدق کوئی بات منسوب کرنا دراصل کلامِ الٰہی کو جھٹلانا ہے۔

قرآن مجید پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خاص اسلوبِ بیان تھا اور وہ ہمیشہ ایسا انداز اختیار فرماتے تھے جس سے ان کی گفتگو نہایت مؤثر اور دل میں کھُب جانیوالی بن جاتی تھی اور مخالفین کو اسکے سامنے سرنگوں ہوئے بغیر چارہ نہ رہتا تھا۔ بعض سادہ لوح انسان الزامِ خصم کے عالمانہ اندازِ بیان کو گریز بلکہ کذب بیانی پر محمول کرتے ہیں مگر درحقیقت یہ انکی کم فہمی ہوتی ہے حقیقت یہ ہے کہ سمجھدار انسان موقع کے مطابق بات کرتا ہے اور اپنی بات کو نتیجہ خیز بنانے کے لئے اس کا فرض ہوتا ہے کہ موقع شناسی سے کام لیتے ہوئے اس اسلوبِ بیان کو اختیار کرے جو اس جگہ زیادہ مفید اور مؤثر ثابت ہو۔ حضرت ابراہیمؑ جس قوم میں

پیدا ہوئے تھے وہ بُت پرست تھی مختلف دیوتاؤں کی پُوجا کرتی تھی۔ سُورج کو اپنا معبود مانتی تھی۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے تمام مکالمات میں اس مشرک قوم کے دلوں سے بتوں کی ہیبت کو دُور کرنا اور خدائے واحد کی توحید کو قائم کرنا مدنظر رکھا ہے اور ہمیں نظر آتا ہے کہ وہ ہر موقع پر اس مقصد میں کامیاب ہوتے ہیں اور ہر جگہ ان کے مخاطب کو ان کے سامنے جُھکنا پڑا ہے۔ یہ بات نہایت حیرتناک ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مخالفین میں سے کسی ایک نے بھی ان کی کسی گفتگو پر انہیں نہیں کہا کہ آپ کذب بیانی سے کام لے رہے ہیں اور آپ کا یہ بیان غلط ہے مگر متعدد مفسرین قرآن ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بعض بیانوں میں اخفاء اگرنہ غلط بیانی اور کذب بیانی سے کام لیا ہے (معاذ اللہ) ظاہر ہے کہ ایسے مفسرین کی اپنی سمجھ کا قصور ہے ورنہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دامن ہر قسم کی آلودگی سے پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صحیح فرمایا ہے اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا۔

(۲)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مبعوث ہونے کے فوراً بعد اپنی قوم کو دلیل و برہان سے سمجھاتے ہوئے فرمایا:۔

وَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا۔ اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۔ وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ۔ (العنکبوت ۱۶—۱۸)

ترجمہ:۔ کہ اے میری قوم! صرف اللہ کی عبادت کرو اور اسی کا تقویٰ اختیار کرو۔ اگر تم جانو تو یہ مسلک ہی تمہارے لئے مفید اور بابرکت ہے۔ تم اللہ کے سوا صرف بے قوت بتوں کی پُوجا کرتے ہو اور جھوٹ و افتراء ایجاد کرتے ہو۔ جن معبودوں کی تم پرستش کرتے ہو وہ تمہارے لئے کسی رزق کے مالک نہیں۔ تمہیں رزق کے لئے بارگاہِ الٰہی میں ہی التجا کرنی چاہیئے اور اسی کی پرستش کرنی چاہیئے۔ تم اس کا شکر ادا کرو آخر تم نے اسی کی طرف واپس جانا ہے۔ ہاں اگر تم میری تکذیب پر کمربستہ ہو جاؤ گے تو یاد رہے کہ تم سے پہلے بھی بہت سی قومیں اپنے اپنے نبیوں کی تکذیب کر چکی ہیں (یعنی تمہارا انجام بھی ان کی طرح ہی ہوگا) رسول کے ذمہ اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ وہ کھلے طور پر اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دے۔"

ظاہر ہے کہ بُت پرست ان دلائل کا کوئی جواب نہ دے سکے تھے۔ وہ خود تراشیدہ بتوں کی پُوجا محض قومی رسم کے طور پر کرتے تھے عقل و سمجھ سے نہ کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیمؑ کے ایک اور دلچسپ مکالمہ کا یوں ذکر فرماتا ہے:۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔ وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ۔ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ۔ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ۔ فَلَمَّا رَاَ

الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّیْ هٰذَا
اَكْبَرُ فَلَمَّا اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّیْ
بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۔ اِنِّیْ وَجَّهْتُ
وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ
وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ قَالَ اَتُحَآجُّوْنِّیْ
فِی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ وَلَآ اَخَافُ
مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّیْ
شَيْئًا وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا
اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۔ وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ
اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ
بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا
فَاَیُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ اِنْ
كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ
اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ
۔ وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ
عَلٰی قَوْمِهٖ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ
اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۔

(الانعام : ۷۴ — ۸۳)

ترجمہ: — وہ کیسا قابلِ یاد وقت ہے جب حضرت ابراہیمؑ نے اپنے اَبْ (باپ یا چچا) آزر سے باندازِ تعجب و حیرت کہا کہ کیا آپ بھی پتھروں کے بُتوں کو خدا مانتے ہیں؟ میرے یقین کے مطابق تو آپ اور آپ کی قوم کھلی کھلی گمراہی میں ہے (اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ) اسی طرح ہم اپنے بندے ابراہیمؑ کو آسمان و زمین کی بادشاہت کے اسرار سے آگاہ کرتے تھے تا وہ کامل یقین والے بندوں میں سے ہو جائے ۔ چنانچہ جب ابراہیمؑ پر (دَورانِ مناظرہ میں) رات چھا گئی تو انہوں نے

(ستارہ پرستوں کی عملی تردید کے لئے) ستارہ کو دیکھ کر فرمایا کہ اچھا یہ میرا پالنے والا رب ہے مگر جونہی وہ غروب ہوگیا تو فرمانے لگے کہ میں ڈوبنے والے کو اپنا محبوب و معبود نہیں مان سکتا ۔ پھر جب روشن چاند نکلا تو حضرت ابراہیمؑ نے قوم سے کہا کہ اچھا یہ میرا رب ہے مگر جب وہ بھی نظروں سے اوجھل ہوگیا تب ابراہیمؑ نے اعلان کر دیا کہ اگر میرے سچے رب نے مجھے خود ہدایت نہ دی ہوتی تو میں بھی ان گمراہ لوگوں میں سے ایک ہوتا ۔ پھر جب چمکتے ہوئے سورج کو دیکھا تو کہا اچھا یہ میرا رب ہے، یہ بڑا بھی ہے مگر جب سورج بھی ڈوب گیا تو حضرت ابراہیمؑ نے باوازِ بلند کہا کہ اے میری قوم میں ان معبودوں سے سخت بیزار ہوں جن کو تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو ۔ میں تو پہلے ہی سے اپنے آپ کو اُس واحد خدا کے سپرد کر چکا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا ہے ۔ میں کبھی بھی مشرکوں میں سے نہیں ہوا ہوں ۔ جب بتوں کی حمایت میں قوم حضرت ابراہیمؑ سے مجادلہ کرنے سے باز نہ آئی تو انہوں نے کہا کہ کیا تم لوگ مجھ سے اُس خدا کے بارے میں جھگڑتے ہو جس نے مجھے براہِ راست ہدایت دی ہے ۔ میں تمہارے معبودوں سے ذرا نہیں ڈرتا ہاں اگر کسی امر کے بارے میں میرے رب کا ارادہ ہو تو وہ ہو گزرتا ہے ۔ میرے رب کا علم ہر جگہ وسیع ہے کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے ؟ بھلا میں تمہارے ان بنائے ہوئے معبودوں سے کیونکر ڈر سکتا ہوں حالانکہ تم خدا کے ساتھ ان ہستیوں کو شریک کرنے سے نہیں ڈرتے جن کے بارے میں اللہ تعالےٰ نے کوئی برہان نازل نہیں فرمایا ۔ تم خود ہی غور و فکر سے سوچ لو کہ دونوں گروہوں میں سے کونسا گروہ امن و سلامتی کا حقدار ہے ۔ یقیناً اُن کے لئے ہی امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں جو کہ واحد خدا پر

ایمان لاتے ہیں اور اپنے ایمان میں کوئی شائبہ شرک کا نہیں ملاتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ حجت و برہان کا وہ انداز ہے جو خود ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلہ پر سکھایا تھا۔ ہم جس کے چاہیں درجات بلند کرتے ہیں۔ یقیناً تیرا رب حکمت والا اور علیم ہے۔"

معزز قارئین! آپ اِن آیات پر غور فرمائیں تو اس جگہ آپ کو حضرت ابراہیمؑ کا شرک کے خلاف ایک بھرپور وار محسوس ہوگا۔ وہ خود تراشیدہ بتوں کو ٹھکراتے ہیں، ان کی الوہیت کے خیال کو ایک ناقابلِ التفات خیال قرار دیتے ہیں۔ ستارہ پرست قوم کو ستاروں، چاند اور سورج کی عبادت سے نہایت لطیف و پُرحکمت طریق کے ساتھ بیزار بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان خدائی آسمانی ہتھیاروں کے سامنے بُت پرست اور ستارہ پرست لاجواب نظر آتے ہیں۔ کیا پُرجلال اور پُرشوکت یہ منظر ہے۔ حضرت ابراہیمؑ ایک فاتح جرنیل کی حیثیت میں للکار رہے ہیں اور مشرک مغلوب و مفتوح قوم کی طرح گنگ اور لاجواب دکھائی دیتے ہیں۔

اِن آیات کا یہ تو اصل مقصد ہے مگر آپ حیران ہونگے کہ کچھ مسلمان کہلانے والے مفسّر کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ نے واقعی پہلے ستارہ کو اپنا رب مانا، پھر چاند کو اپنا خدا سمجھا اور پھر سورج کو اپنا معبود قرار دیا اور آخر کار توحید پر پہنچے۔ اگر یہ لوگ ان آیاتِ قرآنیہ کے اسلوب پر غور کرتے، ان کے اندازِ بیان پر تدبّر کرتے، حضرت ابراہیمؑ کے اسلوبِ خطاب کو سمجھتے تو ایک دقیقہ کے لئے بھی انہیں وہم نہ ہوتا کہ معاذ اللہ حضرت ابراہیم پر کبھی غیراللہ کی معبودیت کے معتقد ہونے کا بھی دور گذرا ہے۔ یہ تو ایک مناظرہ ہے، ایک آسمانی حربہ ہے جس کے ذریعہ سے قوم کے گھڑے ہوئے بُت پاش پاش کئے جا رہے ہیں۔ اے کاش! لوگ خلیل اللہ کے اسلوبِ خطاب کو سمجھیں۔

(۳)

حضرت ابراہیمؑ کے پیش کردہ دلائل و براہین سے مشرکوں میں ہلچل مچ گئی۔ انہیں ان کا کوئی جواب نہیں سوجھتا حضرت ابراہیمؑ کی پاکیزہ زندگی اور راست گفتاری قوم کے دلوں کو گھائل کر رہی تھی اسلئے بُت خانے کے بڑے پجاری (اتفاق کی بات ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے گھرانے کے لوگ ہی بُت خانہ کے بڑے مہنت تھے) سوچ رہے تھے کہ ابراہیمؑ کو جلاوطن کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّهٗ
كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۔ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ
يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا
يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ۔
يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ
مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْۤ اَهْدِكَ
صِرَاطًا سَوِيًّا ۔ يٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ
الشَّيْطٰنَ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ
لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ۔ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْۤ
اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ
الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ۔
قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ
يٰۤاِبْرٰهِيْمُ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ
وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ۔ قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ
سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ
حَفِيًّا ۔ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ عَسٰۤى
اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ۔

(مریم: ۴۱–۴۸)

ترجمہ:- اِس کتاب میں حضرت ابراہیمؑ کا ذکر کرو، وہ یقیناً کامل ترین راستباز نبی تھا۔ جب اس نے

اپنے اب سے کہا کہ اے میرے پیارے باپ! آپ بھلا ان پتھروں کی کیوں عبادت کرتے ہیں جو نہ دُعا سُن سکتے ہیں، نہ پجاری کی حالتِ زار دیکھ سکتے ہیں اور نہ ہی آپ سے کسی ضرر کو دُور کر سکتے ہیں۔ اے باپ! مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ علم و عرفان حاصل ہوا ہے جو آپ کو نہیں ملا۔ اسلئے آپ میری بات مانیں تا میں آپ کو سیدھے راستہ کی طرف رہنمائی کر سکوں۔ اے پیارے ابا! شیطان کی عبادت نہ کرنی چاہیئے وہ خدائے رحمان کا سخت نافرمان ہے۔ اے پیارے باپ! مجھے ڈر ہے کہ آپ پر رحمان کی طرف سے عذاب نازل ہوگا اور آپ شیطان کے دوست بن جائیں گے (ان تمام معقول اور محبت بھری التجاؤں کے جواب میں باپ نے کہا کہ اے ابراہیم! کیا تو میرے معبودوں سے بیزار ہے؟ اگر تو نے اس روش کو ترک نہ کیا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا تو ہمیشہ کے لئے میرے سامنے سے ہٹ جا۔ حضرت ابراہیم نے کہا کہ میں آپ کی سلامتی کے لئے ہی دعا گو ہوں۔ میں اپنے رب سے آپ کے لئے استغفار بھی کروں گا میرا رب مجھ سے بہت پیار کرنے والا ہے۔ آپ ناراض ہیں اسلئے میں آپ سے اور آپ کے معبودوں سے علیحدہ ہو جاؤں گا ہاں اپنے رب سے دُعا کرتا رہوں گا اور مجھے یقین ہے کہ میں دُعا کی وجہ سے کبھی ناکام و نامراد نہ ہوں گا۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ مکالمہ آپ کی شجاعت، بنی نوع انسان کے لئے شفقت، خدا کی توحید کے لئے غیرت اور بُت پرستی سے نفرت کا ایک مرقع ہے۔ اب بات اس مرحلہ پر آ پہنچی ہے کہ قوم جواب سے عاجز ہے مگر حضرت ابراہیمؑ کی دشمن بن رہی ہے۔ گھر کے بزرگ بھی حضرت ابراہیمؑ کی جان کے لاگو بن رہے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کو نظر آتا ہے کہ انہیں اس ملک سے ہجرت کرنی پڑے گی اور توحید پرست دلوں کی تلاش میں کسی اور سرزمین کی طرف جانا پڑیگا۔ اس موقع پر حضرت ابراہیمؑ کی دلی آرزو تھی کہ وہ شاہی دربار میں بھی خدائے واحد کی توحید کی منادی کریں۔ چنانچہ اس کے لئے ایک تقریب پیدا ہو گئی۔ حضرت ابراہیمؑ کا بادشاہ سے مکالمہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ
فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ
إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي
وَيُمِيتُ قَالَ أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ
قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي
بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا
مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ ۗ
وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ.

(بقرہ : ۲۵۸)

ترجمہ:- کیا آپ کو اُس بادشاہ کا حال معلوم ہے جس نے اس وجہ سے کہ اللہ تعالےٰ نے اسے حکومت بخشی تھی حضرت ابراہیمؑ سے ان کے رب کے بارے میں جھگڑا کیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ میرا تو وہ واحد خدا ہے کہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے جس کے قبضہ میں زندگی اور موت ہے۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ یہ تو کوئی دلیل نہیں، میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔ حضرت ابراہیمؑ نے جواب میں کہا کہ بات یہ ہے کہ زندہ کرنے والا اور مارنے والا تو وہ ہوتا ہے جس کا نظامِ کائنات پر قبضہ ہو اور نظامِ شمسی اسکے تابع ہو۔ اور مسلم بات ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی سورج کو مشرق سے لاتا ہے۔ پس اگر حیات و ممات تیرے قبضہ میں ہے تو سورج کو مغرب

چڑھا کر دکھا۔ اس پر وہ کافر بادشاہ مبہوت رہ گیا اور اسے کوئی جواب نہ سوجھا۔ اللہ تعالیٰ ظالم اور مشرک لوگوں کو اہلِ حق کے مقابلہ میں کبھی کامیاب نہیں کرتا"

حضرت ابراہیمؑ کا یہ مکالمہ ان کی قوت استدلال کا ایک زبردست ثبوت ہے۔ بادشاہ ستارہ پرست تھا۔ وہ اور ساری قوم سورج کو اپنا دیوتا مانتے تھے۔ بادشاہ نے کہا کہ میں بحیثیت بادشاہ کسی کو مروا سکتا ہوں اور کسی پھانسی کے قیدی کو چھڑوا سکتا ہوں۔ حضرت ابراہیمؑ نے اس کی اس غلط دلیل پر اسکے اور اسکی قوم کے مسلّمات کی رُو سے ایسی گرفت فرمائی کہ بادشاہ کو بات تک نہ سوجھی۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تو ظاہر ہی ہے کہ حیات کا مرکزی نقطہ شمسی نظام ہے۔ احیاء و اماتت کا مالک وہ ہے جو اس سورج پر تصرف رکھتا ہے۔ ہمیشہ سے خدا ہی اسے مشرق سے لاتا ہے۔ اگر آپ کو زندہ کرنے اور مارنے کا دعویٰ ہے تو آپ کو سورج پر اپنا تصرف ثابت کرنا چاہیئے۔ اب بادشاہ کیلئے نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن کا معاملہ تھا۔ وہ یہ بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ سورج پر میرا تصرف ہے کیونکہ ساری قوم سورج کو بڑا دیوتا مانتی تھی اور اس کا بھی انکار نہ کرسکتا تھا کہ حیات و ممات نظامِ شمسی سے وابستہ ہے پس وہ مبہوت و ششدر رہ گیا۔

(۴)

جب بات یہاں تک پہنچی اور حضرت ابراہیمؑ کے علم کلام کے سامنے شاہ و گدا، عامی و عالم، مشرک و موحد لاجواب ہوگئے تو ایک آخری اور فیصلہ کن مناظرہ کا موقع پیدا ہوگیا۔ اس مناظرہ کے بعد ایک اور عملی قدم فریقین کی طرف سے اٹھایا گیا۔ ہر موقع پر حضرت ابراہیمؑ غالب نظر آتے ہیں اور ان کے مخالف مغلوب اور مقہور دکھائی دیتے ہیں۔ اس مناظرہ اور عملی محاکمہ کا قرآن مجید میں دو جگہ ذکر آتا ہے۔

(۱) سورہ الصافات میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ۔
اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ۔
فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ فَنَظَرَ
نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ۔ فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ۔
فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ۔ فَرَاغَ اِلٰى
اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ۔ مَا لَكُمْ
لَا تَنْطِقُوْنَ۔ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا
بِالْيَمِيْنِ۔ فَاَقْبَلُوْا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ۔
قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ۔ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ
وَمَا تَعْمَلُوْنَ۔ قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا
فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ۔ فَاَرَادُوْا بِهٖ
كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ۔

(الصافات ۸۵-۹۸)

ترجمہ:- حضرت ابراہیمؑ نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ آپ کس کی عبادت کرتے ہیں؟ کیا آپ لوگ جھوٹے طور پر اللہ کے سوا معبود بنانا چاہتے ہیں؟ واحد رب العٰلمین کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ اسی دورانِ گفتگو میں حضرت ابراہیمؑ نے ستاروں پر نظر کی اور فرمایا کہ بس میں تو بیمار ہوں۔ اس پر حاضرین وہاں سے چلے گئے۔ بعد ازاں ابراہیمؑ بُت خانہ میں اُن کے معبودوں کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ تمہیں کیا ہوگیا تم نہ کھاتے ہو نہ بات کرتے ہو۔ پھر حضرت ابراہیمؑ نے دائیں ہاتھ سے ان بتوں کو توڑنا شروع کردیا۔ بُت پرست دوڑتے ہوئے آئے۔ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ کیا آپ خود تراش کر بُت بناتے ہیں اور پھر ان کی پُوجا شروع کردیتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ تمہارا بھی خالق ہے اور تمہاری مصنوعات کا بھی۔ مشرکوں نے کہا کہ ابراہیمؑ کو جلانے کے لئے ایک مکان تیار کرو اور اسے آگ میں ڈالدو۔ ان لوگوں نے حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں بُری تدبیر کی مگر ہم نے بُت پرستوں کو ناکام و نامراد بنا دیا۔

(۲) سورۂ انبیاء میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-
وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِنْ قَبْلُ
وَكُنَّا بِهِ عَالِمِينَ. إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ
مَا هَٰذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ.
قَالُوا وَجَدْنَا آبَاءَنَا لَهَا عَابِدِينَ.
قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ فِي
ضَلَالٍ مُبِينٍ. قَالُوا أَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ
أَمْ أَنْتَ مِنَ اللَّاعِبِينَ. قَالَ بَلْ
رَبُّكُمْ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الَّذِي
فَطَرَهُنَّ وَأَنَا عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ.
وَتَاللَّهِ لَأَكِيدَنَّ أَصْنَامَكُمْ بَعْدَ أَنْ
تُوَلُّوا مُدْبِرِينَ. فَجَعَلَهُمْ جُذَاذًا
إِلَّا كَبِيرًا لَهُمْ لَعَلَّهُمْ إِلَيْهِ يَرْجِعُونَ.
قَالُوا مَنْ فَعَلَ هَٰذَا بِآلِهَتِنَا إِنَّهُ
لَمِنَ الظَّالِمِينَ. قَالُوا سَمِعْنَا فَتًى
يَذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهُ إِبْرَاهِيمُ. قَالُوا
فَأْتُوا بِهِ عَلَىٰ أَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ
يَشْهَدُونَ. قَالُوا أَأَنْتَ فَعَلْتَ هَٰذَا
بِآلِهَتِنَا يَا إِبْرَاهِيمُ. قَالَ بَلْ فَعَلَهُ
كَبِيرُهُمْ هَٰذَا فَاسْأَلُوهُمْ إِنْ كَانُوا
يَنْطِقُونَ. فَرَجَعُوا إِلَىٰ أَنْفُسِهِمْ
فَقَالُوا إِنَّكُمْ أَنْتُمُ الظَّالِمُونَ. ثُمَّ
نُكِسُوا عَلَىٰ رُءُوسِهِمْ لَقَدْ عَلِمْتَ
مَا هَٰؤُلَاءِ يَنْطِقُونَ. قَالَ أَفَتَعْبُدُونَ
مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا
وَلَا يَضُرُّكُمْ. أُفٍّ لَكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُونَ
مِنْ دُونِ اللَّهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ. قَالُوا
حَرِّقُوهُ وَانْصُرُوا آلِهَتَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ
فَاعِلِينَ. قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا
عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ. وَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا
فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَخْسَرِينَ. (الانبیاء ۵۱-۷۰)

ترجمہ :- ہم نے ابراہیم کو ابتداء سے رُشد وہدایت عطا فرمائی اور ہم اسے خوب جاننے والے تھے۔ جب اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ یہ کیا مورتیاں ہیں جن کی عبادت پر تم جھکے رہتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ان کی عبادت کرتے ہوئے پایا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ تم اور تمہارے باپ دادے کھُلی گمراہی میں ہو۔ لوگ بولے کہ آیا آپ کوئی واقعی صداقت لیکر آئے ہیں یا یونہی لہو ولعب کے طور پر یہ دھندا کھڑا کیا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ میں سچے دل سے اِس بات پر تمہارے سامنے گواہ ہوں کہ تمہارے لئے اور کوئی خدا نہیں، صرف وہی اکیلا خدا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے۔ باقی رہے تمہارے بُت سو بخدا تمہارے جانے کے بعد میں ان بُتوں کے متعلق بھی آخری تدبیر کرنیوالا ہوں۔ حضرت ابراہیمؑ نے بُت خانہ[1] کے سارے بُت ریزہ ریزہ کردیئے صرف بڑے بُت کو باقی رہنے دیا تا اس حیرت انگیز کارروائی کے بارے میں وہ حضرت ابراہیمؑ کی طرف رجوع کریں۔ بُت پرستوں نے کہا کہ جس نے ہمارے خداؤں سے یہ کارروائی کی ہے وہ یقیناً ظالم ہے۔ پھر کہنے لگے کہ ان کے بارے میں ہم نے ایک نوجوان ابراہیمؑ نامی کو دھمکی دیتے ہوئے سنا تھا۔ اس پر قرار پایا کہ حضرت ابراہیمؑ کو بھری مجلس میں لایا جائے تا لوگوں کی گواہی لیکر فیصلہ کیا جائے۔ آخر حضرت ابراہیمؑ سے دریافت کرنے لگے کہ اے ابراہیم! کیا ہمارے خداؤں سے یہ کارروائی تم نے کی ہے؟ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا ان خداؤں کے توڑنے کا کام مجھ سا عاجز انسان کیونکر کر سکتا ہے بلکہ

---

[1] یہ بُت خانہ حضرت ابراہیمؑ کے اپنے گھرانے کا تھا ؎

یہ کام تو ان کے اس بڑے خدا نے ہی کیا ہوگا۔ تم خود شکستہ بتوں سے کیوں نہیں پوچھ لیتے اگر ان میں قوتِ گویائی ہے۔ بُت پرستوں نے اپنے دلوں میں سوچا اور ایک دوسرے کو کہنے لگے کہ سچ سچ تم ہی غلط کار اور ظالم ہو (ابراہیمؑ کی دعوت تو برحق ہے) پھر سرنگوں ہو کر بولے کہ اے ابراہیم! یہ تو آپکو بخوبی معلوم ہے کہ یہ بُت بات نہیں کیا کرتے۔ تب حضرت ابراہیمؑ نے للکار کر فرمایا کہ کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ایسے بتوں کی پُوجا کرتے ہو جو نہ تم کو کچھ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ کسی قسم کا ضرر دے سکتے ہیں۔ تم پر اور تمہارے معبودوں پر افسوس ہے۔ کاش کہ تم اب بھی عقل سے کام لو۔ بُت پرست کہنے لگے کہ لوگو! اپنے شکستہ معبودوں کی مدد کیلئے اگر کچھ کرنا ہے تو ابراہیم کو آگ میں جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دو۔ اللہ فرماتا ہے تب ہم نے کہا کہ اے آگ! ہمارے بندے ابراہیمؑ کے لئے ٹھنڈک اور سلامتی کا موجب بن جا۔ چنانچہ ہم نے مشرکوں کو ان کی تمام تدبیروں میں ناکام و نامراد کر دیا۔"

یہ سارا مکالمہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایمانی غیرت، موحدانہ جرأت اور مسکت دلیل و بُرہان پر مشتمل ہے۔ حضرت ابراہیمؑ دلائل کے رُو سے عام آدمی سے لیکر بادشاہ تک توحید کے بارے میں اتمام حجت کر چکے تھے۔ اب ہجرت سے پہلے بُت پرستوں کے دلوں سے بُت پرستی کی ہیبت کے زائل کرنے کے لئے ایک آخری قدم اٹھانا باقی تھا۔ حضرت ابراہیمؑ نے اس قدم کے اٹھانے کا برملا اعلان کر دیا۔ تاللہ لاکیدنّ اصنامکم بعد ان تولوا مدبرین میں عام تحدّی موجود ہے۔ چونکہ یہ مناظرہ رات کے وقت دیر تک ہوتا رہا اور حضرت ابراہیمؑ اس دن کچھ بیمار تھے اسلئے ستاروں کو دیکھ کر وقت کا اندازہ کیا اور فرمایا کہ اِنّی سقیمٌ۔ اس پر حاضرین میں سے کسی نے نہ کہا کہ آپ تو بیمار نہیں، بلکہ سب نے اسے درست سمجھا۔ حضرت ابراہیمؑ کی حالت اُنکے سامنے تھی وہ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ پھر حضرت ابراہیمؑ نے بُت خانہ کے بتوں کو ریزہ ریزہ کر دیا مگر سب سے بڑے بُت کو محفوظ رکھا۔ اِس عمل سے اُن کی غرض یہ تھی کہ قوم کے لوگ حضرت ابراہیمؑ کی طرف رجوع کریں کہ انہیں بُت پرستی کے خلاف آخری بھرپور وار کرنے کا موقع ملے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

بُت پرستوں میں بتوں کے توڑے جانے کا چرچا ہوا آخر بات حضرت ابراہیمؑ تک پہنچی۔ انہیں برسرِ عام بُلا کر دریافت کیا گیا۔ ءَانتَ فعلتَ ھٰذا بالھتنا یا ابراھیم کہ ہمارے خداؤں کو آپ نے توڑا ہے؟ جب یہ الھۃ تھے تو حضرت ابراہیمؑ کے انکو توڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر یہ الھۃ ہیں تو انکو کوئی بڑا اللہ ہی توڑ سکتا ہے کمزور انسان نہیں توڑ سکتا۔ یہ وہ مفہوم ہے جو حضرت ابراہیمؑ کے جواب بل فعلہ کبیرھم ھٰذا فسئلوھم ان کانوا ینطقون میں بیان ہوا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی قوم نے اس فقرہ کا یہی مفہوم سمجھا اور مشرک شرمسار ہو کر لاجواب ہو گئے لیکن تعجب ہے کہ بعض مسلمان مفسرین اس فقرہ کو اپنی نادانی سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کذب بیانی قرار دیتے ہیں۔ ؎

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

یہ سب کچھ حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ کے اسلوبِ خطاب کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔ کذب بیانی بزدل اختیار کرتے ہیں ابراہیم علیہ السلام ایسا جری اور شجاع انسان کبھی کذب بیانی نہیں کر سکتا۔ انّہ کان صدّیقاً نبیًّا۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے مخالفین پر نہایت شاندار رنگ میں حجت تمام فرمائی۔ دلائل سے، جذبات سے، عمل سے، غرض ہر طرز پر شرک کی تردید فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کے ہزاروں ہزار درود اور سلا

تفسیر القرآن المجید

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ

کی تفسیر

مودودی صاحبان کی غلط تفسیر کا تازہ ترین نمونہ !

مدیر ترجمان القرآن کے نام ایک خط اور انکی طرف سے اس کا جواب

قرآنی معیار

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منکرین اور مکذبین پر اتمامِ حجت کے طور پر انہیں خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

فلا اقسم بما تبصرون ۔ وما لا
تبصرون ۔ انہ لقولُ رسولٍ
کریم ۔ وما ھو بقول شاعر
قلیلاً ما تؤمنون ۔ ولا بقولِ
کاھنٍ قلیلاً ما تذکرون ۔ تنزیل
من رب العٰلمین ۔ ولو تقوّل علینا
بعض الاقاویل ۔ لاخذنا منہ
بالیمین ۔ ثم لقطعنا منہ الوتین ۔
فما منکم من احدٍ عنہ حاجزین ۔

(الحاقہ ۳۸ — ۴۸)

کہ تمہارے مزاعم کی تردید میں میں دیدنی و نادیدنی اشیاء و حوادث کو بطور گواہ پیش کرتا ہوں کہ یہ وحی الٰہی معزز رسول کے ذریعہ سے تمہیں سنائی جا رہی ہے۔ یہ کسی شاعر کا کلام نہیں مگر تم ایمان سے گریز کر رہے ہو یہ کسی کاہن کی باتیں نہیں مگر افسوس کہ تم نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ یہ تو خدائے رب العالمین کی طرف سے نازل شدہ کلام ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ اگر یہ مدعی وحی ہم پر افتراء و تقوّل کر کے کوئی بات پیش کرتا تو ہم اپنے ہاتھ سے اسے پکڑ لیتے اور اس کی شہ رگ کاٹ دیتے اور تم میں سے کوئی اسے بچا نہ سکتا۔"

یہ آیات صداقتِ انبیاء کے عظیم الشان معیار پر مشتمل ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین کو آپ کی صداقت اسی معیار پر پرکھنے کی دعوت دی گئی ہے۔ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ نبوت کے بعد قتل و ہلاک سے محفوظ رہ کر تیئیس ۲۳ برس تک کامرانی کے ساتھ زندگی بسر کرنا ایسا محکم برہان ہے کہ گذشتہ چودہ ۱۴ صدیوں میں تمام مشرکین، تمام یہود و نصاریٰ اور دیگر معاندینِ اسلام اس کے سامنے سراسر گنگ نظر آتے ہیں۔ کتب عقائد و کلام و تاریخ سے ثابت ہے کہ جھوٹے مدعی نبوت کو تیئیس ۲۳ سال مہلت نہیں مل سکتی مسلمانوں کا عقیدہ ہے کسی جھوٹے مدعی نبوت کا تیئیس ۲۳ سال عملاً مہلت نہ پانا مسلمانوں اور غیر مسلموں کے نزدیک ایک کھلی تاریخی حقیقت ہے۔

قرآنی معیار کی کتب عقائد سے تائید

عقائد کی مشہور کتاب شرح العقائد النسفی میں لکھا ہے:۔

"فان العقل یجزم بامتناع اجتماع هذه الامور فی غیر الانبیاء وان یجمع اللّٰہ تعالیٰ هذه الکمالات فی حق من یعلم انه یفتری علیه ثم یمهله ثلاثاً وعشرین سنة۔"

(شرح العقائد مطبع مجتبائی ص۱۰۱)

ترجمہ:- عقل انسانی کو یقین ہے کہ یہ امور (معجزات و اخلاق عالیہ) غیر نبیوں میں نہیں پائے جاتے۔ نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی مفتری میں یہ کمالات پیدا نہیں فرماتا اور نہ ہی اسے تیئیس ۲۳ برس کی مہلت دیتا ہے۔"

شرح العقائد کی شرح النبراس میں تیئیس ۲۳ سال کی میعاد کی وجہ بایں الفاظ ذکر کی گئی ہے "فان النبی صلی اللّٰہ علیه وآله وسلم بعث وعمره اربعون سنة وتوفی وعمره ثلاث وستون سنة علی الصحیح" (ص۴۴۴) کہ چونکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سال کی عمر میں مبعوث ہوئے تھے اور ۶۳ برس کی عمر میں حضورؐ کا وصال ہوا تھا اسلئے اس سے تیئیس ۲۳ سال کا معیار اخذ کیا گیا ہے۔

حضرت امام ابن القیمؒ نے ایک عیسائی مناظر کے سامنے اسی معیار کو پیش کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

"وهو مستمر فی الافتراء علیه ثلاثاً وعشرین سنة وهو مع ذلك یؤیده" (زاد المعاد جلد ۱ ص۵۰۰) کہ یہ بالکل ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تیئیس ۲۳ سال تک کسی کاذب مفتری کو افتراء کا موقع دے اور اس کی تائید فرمائے۔

مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے بھی لکھا ہے کہ:-

"نظام عالم میں جہاں اور قوانین خداوندی ہیں یہ بھی ہے کہ کاذب مدعیٔ نبوت کی ترقی نہیں ہوا کرتی بلکہ وہ جان سے مارا جاتا ہے۔"

(تفسیر ثنائی مقدمہ ص۱۷)

قرآنی معیار کی تصدیق پر واقعات کی گواہی

تاریخی طور پر بھی یہ واضح صداقت ہے کہ کسی کاذب مدعیٔ نبوت کو لمبے عرصہ تک مہلت نہیں ملی اور نہ ہی اُسے دیر تک کامیابی نصیب ہوتی ہے۔ علامہ عبدالعزیز صاحب لکھتے ہیں:-

"وقد ادعی بعض الکذابین النبوة کمسیلمة الیمامی والاسود العنسی وسجاح الکاهنة فقتل بعضهم وتاب بعضهم وبالجملة لم ینتظم امر الکاذب فی النبوة الا ایاماً معدودةً۔"

کہ بیشک بعض لوگوں نے جھوٹے طور پر نبوت کا دعویٰ کیا تھا جیسا کہ مسیلمہ، اسود عنسی اور سجاح تھے۔ مگر بعض تو ان میں سے قتل ہوگئے اور بعض نے دعویٰ سے توبہ کرلی۔ بہرحال جھوٹے مدعیٔ نبوت کو چند روز سے زیادہ سرسبزی حاصل نہیں ہوتی۔

(النبراس مطبوعہ میرٹھ ص۴۴۳)

حضرت امام ابن القیمؒ تحریر فرماتے ہیں:-

"نحن لا ننکر اَنّ کثیراً من الکذابین قام فی الوجود وظهرت له شوکة ولکن لم یتم له امره ولم تطل مدته بل سلط علیه رسله واتباعهم فمحقوا اثره وقطعوا دابره واستاصلوا شافته هذه سنته فی عباده منذ قامت الدنیا والی ان یرث اللّٰه الارض ومن علیها۔"

ترجمہ:- ہم مانتے ہیں کہ بہت سے کذابوں نے نبوت کا ذبہ کا دعویٰ کیا اور انہیں کچھ شوکت وعظمت بھی حاصل ہوئی مگر کسی کاذب مدعیٔ نبوت کو کامیابی حاصل نہ ہوئی اور نہ ہی اسے زیادہ دیر تک مہلت ملی بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے صادق رسولوں اور ان کے اتباع کو ان کاذبوں پر مسلط کر دیا جنہوں نے ان کاذبوں کا نام مٹا دیا انہیں نیست و نابود کر دیا اور ان کی جڑ کاٹ کر رکھ دی۔ ابتدائے آفرینش سے لیکر دنیا کے آخری دن تک خدا تعالیٰ کا یہی قانون ہے اور ہمیشہ یہی رہے گا۔" (زاد المعاد)

پس تاریخی واقعات بھی قرآنی معیار کی پوری پوری تصدیق کرتے ہیں۔

مدیر ترجمان القرآن کے نام ایک مکتوب

ظاہر ہے کہ قرآن مجید کے مندرجہ بالا معیار کی رُو سے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی صداقت روزِ روشن کی طرح ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو دعویٰ وحی و الہام کے بعد ستائیس برس تک کامیاب زندگی عطا فرمائی اور ہزار ہا ابتلاؤں کے باوجود آج تک جماعت احمدیہ ترقی کر رہی ہے چنانچہ بہت سے خدا ترس مسلمانوں کے دلوں میں اس بارے میں جستجو پیدا ہو رہی ہے۔ ایسے ہی لوگوں میں سے ایک شخص نے مودودی رسالہ "ترجمان القرآن" کے ایڈیٹر صاحب کے نام ذیل کا خط لکھا ہے:۔

"میں اکثر اوقات اس پر غور کیا کرتا ہوں کہ کیا وجہ ہے کہ مرزا غلام احمد کو اپنے گمراہ کن مشن میں اس قدر کامیابی حاصل ہوئی۔ مجھے مرزا صاحب کی کامیابیوں کا سلسلہ لامتناہی نظر آتا ہے اور جس وقت مرزا صاحب کے مخالفین کی نامرادیوں پر غور کرتا ہوں تو وہ بھی بے حد و حساب نظر آتی ہیں ایسا کیوں ہے؟

ایک شخص خدا اور اسکے رسول کے مقابلہ پر کھڑا ہوتا ہے۔ ناظمین رسول کو چیلنج کرتا ہے کہ تم سب مل کر بھی میرے مشن کو فیل نہیں کر سکتے کیونکہ خدا کی تائید میرے شامل حال ہے۔ تم جب بھی میرے مقابلہ پر آؤ گے ہر مرتبہ ذلیل و نامراد ہوتے رہو گے اور یہی میرے نبی ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ مرزائیوں کی حفاظت کے سامان غیب سے پیدا ہو جاتے ہیں۔ ایک تازہ مثال دیکھئے کہ جہم پیر کے حادثہ میں نہ جانے کتنے مسلمان لقمۂ اجل ہو گئے لیکن مرزا صاحب کے ایک ممتاز پیرو کو خدا تعالیٰ نے بال بال بچا لیا۔ دوسری طرف مرزائیوں کے مخالفین کی تباہی کے سامان بھی غیب سے ظہور میں آتے ہیں جس کی ایک مثال لاہور کا مارشل لا ہے۔ خدا سچے رسول کی ختم نبوت کی حفاظت کرنیوالوں کی ناکامیاں اور تباہیاں سامنے لائیے کس قدر زور دار تحریک اٹھی تھی اور کیسے ہمیشہ کے لئے ختم ہو کر رہ گئی۔

پھر اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو خدا پر جھوٹ بولے۔ ایک دوسری آیت کا مفہوم یہ ہے کہ "اے نبی اگر تم ہماری طرف سے ایک ذرا سا بھی جھوٹ گھڑ کر بیان کرو تو ہم تمہاری گردن پکڑ لیں۔" کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ اس سے پہلے کسی شخص نے خدا پر اتنا بڑا جھوٹ بولا ہو اور پھر وہ اس طرح اپنے مشن میں کامیاب بھی ہوا ہو۔

گزشتہ سال جو کچھ لاہور میں ہوا کیا وہ سب کچھ اتفاقی طور پر ہو گیا؟ خدا کی مرضی اس میں شامل نہیں ہے کہ علماء کو جیل اور پھانسی اور ......؟

امید ہے کہ اس سے آپ میری اُلجھن کو سمجھ لیں گے اور میری رہبری فرمائیں گے۔" (ترجمان القرآن اگست ۱۹۵۴ء صفحہ ۵۰-۵۵)

سائل کے بنیادی سوال کا جواب؟

سائل نے مدیر ترجمان القرآن سے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے دعویٰ نبوت اور آپ کی کامیابی کو پیش کرکے سوال کیا تھا کہ "کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ اس سے پہلے کسی شخص نے خدا پر اتنا بڑا جھوٹ بولا ہو اور پھر وہ اس طرح اپنے مشن میں کامیاب بھی ہوا ہو؟" جناب مدیر صاحب نے دس بارہ صفحات کے طویل مضمون میں اس مطالبہ کا کوئی معین اور واضح جواب نہیں دیا۔ لو تقوّل علینا کی آیات لکھنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

"نبوت کے جھوٹے دعوے بھی ایک بار نہیں بارہا ہوئے لیکن آیاتِ مذکورہ کے مطابق کبھی ایسا نہیں ہوا کہ جہاں کوئی یہ جرم کرتا فوراً مشیتِ الٰہی کا دستِ غیب حرکت میں آتا اور مجرم کے داہنے ہاتھ کو گرفت میں لیکر اس کی شہ رگ کاٹ دیتا۔ افترا علی اللہ کے مجرمین نے بڑی بڑی لمبی عمریں پائی ہیں اور بڑے بڑے لمبے دور ان کے مذہبی کاروبار نے گذارے ہیں۔"

حالانکہ سوال تو یہی تھا کہ آیاتِ قرآنیہ کے پیش کردہ معیار کے مطابق جھوٹے مدعیٔ نبوت کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اگر کوئی ۲۳ سال کی مہلت پاکر کامیاب ہوا ہے تو اس کا نام بتائیں۔ مدیر ترجمان کوئی نام پیش کرنے کی بجائے محض اپنے غلط دعویٰ کا اعادہ کر رہے ہیں۔ ہم اوپر درج کر چکے ہیں کہ مسلمان بطور عقیدہ اور بطور تاریخی واقعہ اِس امر پر قائم ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کبھی کسی جھوٹے مدعیٔ نبوت کو تیئیس سال کی مہلت دیکر کامیابی نہیں دکھائی۔ اس واضح حقیقت کو محض لفاظی سے نہیں جھٹلایا جا سکتا۔

غلط استدلال کی ایک اور مثال

سوال زیرِ بحث کاذب مدعیٔ نبوت کا ہے مگر مدیر ترجمان لکھتے ہیں:۔

"یہ بھی قرآن کی واضح کردہ حقیقت ہے کہ جو لوگ کفر اور بغاوت اور انحراف اور استکبار کی راہ اختیار کر لیتے ہیں ان کو اور زیادہ چھوٹ ملتی ہے۔ جیسے کہ فرمایا۔ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ وَاُمْلِيْ لَهُمْ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ (الاعراف ۱۸۲-۱۸۳) دوسری جگہ فرمایا۔ فَذَرْنِيْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ وَاُمْلِيْ لَهُمْ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ (القلم ۴۴-۴۵)"

ناظرین کرام غور فرمائیں کہ اِن دونوں آیتوں میں مکذبینِ انبیاء کا ذکر ہے، ان کو مہلت دیئے جانے کا بیان ہے تاکہ وہ انبیاء کے مقابلہ پر پورا زور لگا کر دیکھ لیں۔ مگر مدیر ترجمان ہیں کہ ان آیات کو کاذب مدعیٔ نبوت کی مہلت کے لئے پیش کر رہے ہیں۔ اس سے غلط تر استدلال اور کیا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے جھوٹے مدعیٔ نبوت کے لئے آیت ولو تقول علینا بعض الاقاویل میں ہلاک کرنے اور لمبی مہلت نہ دینے کا ذکر فرما کر صداقتِ انبیاء کا واضح معیار بیان فرما دیا ہے۔

نہایت مضحکہ خیز استدلال

جناب مدیر ترجمان تحریر فرماتے ہیں کہ "ولو تقول" کی دھمکی بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ خدا کے بارے میں بہتان اور افترا گھڑنا جرم تو غیر نبی اور جھوٹے نبی کے لئے بھی ہے لیکن یہاں جس گرفت سے ڈرایا گیا ہے وہ صرف سچے نبی کے لئے ہے۔ پس جو ڈھیل آپ کسی مدعیٔ کاذب کو ملتی دیکھتے ہیں وہ تو اس آیت کی روشنی میں اس کے جھوٹا ہونے کی صریح دلیل اور علامت بنتی ہے" (صفحہ ۶۹)

جواباً عرض ہے کہ (۱) اللہ تعالیٰ نے اس معیار کو کفار و منکرین اور یہود و نصاریٰ کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ اگر منکرین کہہ دیتے کہ آپ تو سچے نبی نہیں ہیں اور یہ معیار تو صرف "سچے نبی" کے لئے ہے۔ آپ کو مہلت ملنا تو آپ کے جھوٹا ہونے کی "صریح دلیل" ہے۔ فرمائیے کہ اس اعتراض کا کیا جواب ہے؟

(۲) اگر مدیر ترجمان کا استدلال درست ہے تو سلف صالحین یہ کیوں کہتے اور لکھتے رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جھوٹے مدعیٔ نبوت کو ۲۳ سال مہلت نہیں دیتا بلکہ وہ عیسائیوں کے سامنے اس دلیل کو پیش کر کے چیلنج کرتے رہے ہیں (شروع مضمون میں حوالہ جات درج ہیں)

(۳) مفسرین نے اس معیار کو عام قرار دیا ہے۔ علامہ فخر الدین رازی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں "هٰذا هو الواجب فی حکمة الله تعالیٰ لئلا یشتبه الصادق بالکاذب" (تفسیر کبیر جلد ۸ صفحہ ۲۹۱) کہ حکمتِ الٰہی کے مطابق جھوٹے مدعیٔ نبوت کی قطع وتین ضروری تھی تاکہ صادق کاذب کے ساتھ مشتبہ نہ ہو جائے۔

صاحب تفسیر روح البیان لکھتے ہیں "لعاقبه الله و هو اکرم الناس علیه فما ظنك بغیره" (جلد ۴ صفحہ ۴۶۴) جب اللہ تعالیٰ تقوّل کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر عتاب فرماتا حالانکہ آپ خدا کے ہاں سب سے زیادہ معزز

ہیں تو پھر اور کوئی اگر تقوّل کرے تو اس کا کیا حال ہوگا؟ پس جناب مدیر ترجمان القرآن کا استدلال نہایت بودا ہے۔ اس پر یہ بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ افترا مجرم ہے تو فرمایئے کہ جھوٹے نبی کے اس جرم کی قرآن مجید نے کیا سزا بیان فرمائی ہے اور کہاں؟

نظیر پیش کرنیوالے کیلئے پانچصد روپیہ انعام!

حقیقت یہی ہے کہ قرآن مجید نے آیت ولو تقوّل علینا میں افتراء و تقوّل کرنیوالے کی ہلاکت و قتل اور ناکامی کا اعلان کر دیا ہے۔ اس آیت کا اصل رُخ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا اثبات ہے اسلئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تیئیس سالہ مہلت آئندہ کے لئے معیارِ صداقت قرار پا گئی اور یہ کبھی ممکن نہیں کہ ایک شخص جھوٹے طور پر وحی اور الہام کا دعویٰ کرے، اپنے دعویٰ کی تشہیر کرے، لوگ اسکے پیش کردہ اقوال کو کلام الٰہی سمجھنے لگ جائیں اور پھر خدا تعالیٰ اسے تیئیس سال تک مہلت دیدے ایسا ہونے سے معیار صداقت مشتبہ ہو جاتا ہے، ایسا کبھی نہیں ہوا۔ سن ۱۹۰۰ء کی بات ہے کہ بعض مخالفین سلسلہ احمدیہ نے کہا کہ ایسی مثال پائی جا سکتی ہے اس پر حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے اعلان فرمایا کہ:۔

"اگر یہ بات صحیح ہے کہ کوئی شخص نبی یا رسول اور مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ کر کے اور کھلے کھلے طور پر خدا کے نام پر کلمات لوگوں کو سنا کر پھر باوجود مفتری ہونے کے تیئیس برس تک جو زمانہ وحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہے زندہ رہا ہے تو میں ایسی نظیر پیش کرنیوالے کو بعد اسکے جو مجھے میرے ثبوت کے موافق یا قرآن کے ثبوت کے موافق ثبوت دیدے پانسو روپیہ نقد دوں گا۔" (اربعین ۳ ص۱)

پچاس سال بیت چکے ہیں مگر آج تک کوئی شخص ایسی نظیر پیش نہیں کر سکا۔ کیا جناب مدیر ترجمان اب ایسی نظیر پیش کر سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔

دوسرے فرقوں کی ناکامی کے اسباب

سوال کرنیوالے نے جماعت احمدیہ کے مقابلہ میں دوسرے فرقوں کی ناکامی کا برملا اعتراف کر کے اسکی وجہ دریافت کی تھی۔ مدیر ترجمان پہلے تو یہ تسلیم کرتے ہیں کہ:۔

"ہم یہ ضرور مانتے ہیں کہ نظامِ مشیت کے تحت جو ادنیٰ سے ادنیٰ طبعی حادثات انسانی زندگی میں واقع ہوتے ہیں ان میں اللہ تعالیٰ کی بے شمار حکمتیں اور مصلحتیں کارفرما ہوتی ہیں اور کوئی چیز بھی اندھا دُھند طریق سے واقع نہیں ہوتی" (ص۹۰)

اسکے بعد مدیر ترجمان مخالفین احمدیت کی ناکامی کی "نمایاں وجوہ" بالفاظِ ذیل درج کرتے ہیں:۔

(۱) "جس سچے نبی کو مسلمان مانتے ہیں اور آخری نبی مانتے ہیں اور جس کی شمعِ ناموس کے پروانے بن بن کر قربانیاں دیتے نظر آتے ہیں اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں میں اسی نبی کی نورانی ہدایت، اس کی سچی تعلیم، اسکے لائے ہوئے نظامِ فلاح سے کھلا کھلا انحراف کرتے ہیں، اس نبی کی سنت کی دھڑلے سے مخالفت کرتے ہیں، اسکے سکھائے ہوئے اصولِ حیات کا مذاق اڑاتے ہیں، اسکی پیش کردہ معاشرت و تہذیب کے خلاف دلیل بازی کرتے ہیں۔ اسکے دین کے علمبرداروں کو کچلتے ہیں اور احیائے اسلام کی تحریکوں پر تشدد کرتے ہیں۔"

(۲) "آپ دیکھتے ہیں کہ پاکستان کی مسلمان قوم جو قادیانیوں کو اقلیت قرار دلوا کر ان سے پیچھا چھڑانے کی جدوجہد کر رہی ہے خود اسی کا پالا پوسا ملحد اور مذہب دشمن عنصر ہے جو قادیانیوں کی سرپرستی کرنے پر تلا ہوا ہے۔ یہ عنصر معاشرے میں جو غلبہ و اثر رکھتا ہے وہ اسی پاکستانی قوم کے تعاون سے اسے حاصل ہوا ہے اور اسی کے تعاون سے قائم ہے۔" (ص۹۱)

(۳) "پھر حصولِ مقصد کے لئے اب تک جو جدوجہد ہوئی ہے اسکے بارے میں جرأت کے ساتھ یہ تلخ حقیقت ہمیں مان لینی چاہیئے کہ اسمیں ایسے پہلو بہت بڑے پیمانہ پر موجود تھے جن کا

روا دار خود اسلام نہیں اور جن سے اللہ اور اسکا رسولؐ کبھی راضی نہیں ہو سکتے۔ اس جد و جہد میں اخلاص کے ساتھ مفاد پسندی، راستی کے ساتھ چالبازی، ایثار کے ساتھ ریا، اسلامی کردار کے ساتھ پستی اخلاق، عزیمت کے ساتھ بزدلی اور نظم کے ساتھ ہڑبونگ کی بہت بڑی آمیزش موجود تھی۔" (ص ۶۲)

ہم ان پیش کردہ "نمایاں وجوہ" پر کوئی تبصرہ کرنا نہیں چاہتے۔ صرف دردمند مسلمانوں سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ غور فرمائیں کہ کیا ان حالات میں اللہ تعالیٰ کے فرستادہ کی ضرورت نہ تھی، کیا یہ بیانات علماء کی دینی و تربیتی ناکامی کے ساتھ ساتھ احمدیوں کی کامل مظلومیت کی داستان بھی بیان نہیں کر رہے ہے ؟

مدیر ترجمان کے غلط اندازے

مدیر ترجمان نے احمدیت کی رفتار ترقی کے متعلق مخاطب کو تسلی دیتے ہوئے لکھا ہے کہ :۔

" قادیانیت کا معاملہ بھی بالکل ایسا ہی ہے۔ اسے جتنا ابھرنا تھا ابھر چکا۔ اب اس کے زوال کے آثار چشم بینا پر بالکل عیاں ہیں۔" (ص ۶۴)

مَیں کہتا ہوں کہ اگر یہ بیان درست ہے تو اول تو احمدیت کے مقابلہ میں مودودی صاحب اور تمام علماء کا طوفانِ مخالفت برپا کرنا اور اس سلسلہ میں اسلامی اخلاق و اقدار تک کو نظر انداز کر دینا کس بناء پر ہے ؟ ان لوگوں کی چشمِ بینا کو کیا ہو گیا کہ یہ احمدیت کو "بڑھنے والا سیلاب" قرار دے رہے ہیں ؟ دوسرے جماعت احمدیہ پر آج جو تنگی کا دور ہے اور اسکے مخالفین جس طرح اپنی کثرتِ تعداد پر نازاں ہیں اس کے لئے مدیر ترجمان کو اپنے ہی الفاظ ذیل پر تدبر کرنا چاہیئے۔ لکھتے ہیں :۔

" خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریک کو مکہ کے لیے دور میں جن دردناک آزمائشوں کا اور محض ظاہر کو دیکھنے والی آنکھوں کیلئے "ناکامیوں" کا سامنا پڑا ہے اگر بعد کے واقعات سے اس دور کو منقطع کر کے دیکھا جائے ۔۔۔۔ اور مکہ کے مخالفینِ حق کا تصور فہم تھا بھی یہی ۔۔۔ تو بظاہر یوں نظر آتا ہے کہ جیسے بُت پرست مشرکوں کیلئے کامرانی ہی کامرانی ہے اور حق پرستوں کیلئے تنگیٔ معاش ہے، مادیت ہے، تذلیل و استہزاء ہے، مقاطعہ ہے، نظر بندی ہے، ہجرت ہے، قلتِ تعداد کی پریشانی ہے اور مستقبل ہے کہ بظاہر نامعلوم ہے لیکن بظاہر اس مایوس کن اور ناکامیوں بھرے ماحول کے بطن میں ایک سنہرا مستقبل پرورش پا رہا تھا کہ جب وہ نمودار ہو گیا تو ہر ایک کو دن سے کو دن آدمی نے سمجھ لیا کہ وہ ۱۳ برس کا طویل دَور ابتلا سر تا سر کامیابی تھا ناکامی کا کوئی شائبہ بھی اس میں شامل نہ تھا۔" (ص ۶۳)

حرفِ آخر

تحریکِ احمدیت اللہ تعالیٰ کے نام پر جاری کی گئی ہے ماشاء اللہ اسلام و اشاعتِ قرآن مجید اسکا نصب العین ہے۔ تمام اسلامی فرقوں کو اللہ اور اسکے رسولؐ کے دین پر قائم کرنا احمدیت کا منتہائے مقصود ہے تزکیۂ نفوس اور دلوں میں خدا ترسی پیدا کرنا احمدیت کی غرض و غایت ہے علماء ہیں کہ احمدیوں کو کافر ٹھہراتے ہیں ان کا مقاطعہ کرتے ہیں اُن پر عرصۂ حیات تنگ کرتے ہیں۔ جب سے اللہ تعالیٰ نے پاکستان کی آزاد اسلامی سلطنت کو قائم کیا ہے۔ یہ علماء احمدیوں کو تہِ تیغ کرنے کیلئے رات دن ایک کر رہے ہیں، عوام کو اشتعال دلاتے ہیں۔ جو انصاف پسند حکام قیامِ امن کی خاطر ان لوگوں کو فساد انگیز حرکات سے روکتے ہیں انہیں یہ لوگ "ملحد" اور "دشمن دین" ٹھہراتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں انسانی قلوب ہیں اور وہی تمام بادشاہتوں کا مالک ہے اسلئے ہماری تو اسی سے التجا ہے۔ ہم بہرحال اسکی شریعت کو قائم کرتے رہیں گے اور اسکے دینِ حنیف کو پھیلاتے ہیں دُنیا بھر میں جائیں گے وہ احکم الحاکمین جلد فیصلہ کرنے والا ہے۔ ربِّ احکم بالحق وربنا الرحمان المستعان علیٰ ما تصفون ٭

لہ کیا آج جماعت احمدیہ انہی حالات میں سے نہیں گذر رہی ؟

رسالہ طلوع اسلام کا جواب ۲

قرآن مجید میں عورتوں کے حقوق محفوظ ہیں!

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا قائم کردہ مسلک!!

الفرقان (جولائی ۱۹۵۴ء) میں ہم نے منکرین حدیث 'اہل قرآن' کے رسالہ طلوع اسلام کی اس غلط تفسیر کا ذکر کیا تھا جو تعدد ازدواج کے سلسلہ میں اس نے بعض آیات قرآنیہ کے ضمن میں بیان کی تھی۔ طلوع اسلام نے یہ مضمون "مرزا صاحب اور صنف مجبور" کے زیر عنوان شائع کیا ہے۔ اس مضمون میں محمدی بیگم والی پیشگوئی کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ مضمون نگار صاحب لکھتے ہیں کہ "میرے لئے پیشگوئی کا پورا ہونا یا نہ ہونا اتنا اہم نہیں ہے سوال یہ ہے کہ اس پیشگوئی کے متعلق واقعات مرزا صاحب کے کردار پر کیا روشنی ڈالتے ہیں؟" جن امور کو مضمون نگار نے ذکر کیا ہے ان پر تفصیلی بحث انشاء اللہ آئندہ قسط میں ہوگی مگر آج ہم اصولی طور پر جواب دیتے ہیں۔ صاحب مضمون لکھتے ہیں:-

"عورتوں کو ان کے جائز حقوق سے محروم رکھ کر مرد اپنے آپ پر اور اپنی آئندہ نسلوں پر ظلم کر رہے ہیں۔ یہ حقوق قائم کئے بغیر کسی حقیقی معنے میں قومی ترقی کا تصور ہی نہیں ہو سکتا۔ اگر میں اجرائے نبوت کا قائل ہوتا تو ہمارے موجودہ حالات اس امر کے متقاضی تھے کہ عورتوں کا ایک نبی مبعوث کیا جاتا۔ نسبتاً چھوٹے چھوٹے معاملات مثلاً بیوپار میں پورا پورا تولنے کے لئے نبی آتے رہے ہیں، کیا آبادی کے نصف حصہ کو ابتدائی انسانی حقوق سے محروم کیا جانا اور ظاہر یہ کرنا کہ یہ خدائی قانون کے ماتحت کیا جا رہا ہے سودا کم تولنے سے بھی کم اہمیت رکھتا ہے!"

(طلوع اسلام جولائی ۱۹۵۴ء صفحہ ۵۱)

گویا اہل قرآن کے نزدیک آج کی حالت کا تقاضا ہے کہ عورتوں کو ان کے اسلامی قرآنی حقوق دلانے کے لئے ایک نبی مبعوث ہو۔ مگر چونکہ ان حضرات کے نزدیک نبی کا آنا بند ہو گیا ہے اسلئے مجبوری ہے ورنہ آج حالات اس سے بہت بدتر ہیں جیسا کہ سابق نبیوں کے وقت میں ہوا کرتے تھے۔ اس جگہ طبعاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر قرآن مجید کے دیئے ہوئے حقوق کو قائم کرنے کے لئے حالت کے تقاضا کے مطابق اللہ تعالیٰ نبی کیوں مبعوث نہیں کرتا؟ اسکے جواب میں یہ کہنا کہ "چونکہ قرآن مجید میں ان امور کے متعلق اصول و قوانین موجود ہیں اسلئے اب کسی نبی کی ضرورت نہیں۔ ضرورت صرف قرآن سمجھنے کی ہے" درست نہیں ہوگا۔ کیونکہ اوّل تو قرآن سمجھانے کے لئے بھی آسمانی رُوح کی ضرورت ہے، خدائی تعلیم[۱] و تفہیم[۲] کی ضرورت ہے۔ اگر "قرآن سمجھنا" اتنا ہی آسان ہوتا، اسکے حقائق و معارف سمجھنا اتنا ہی سہل ہوتا جتنا کہ منکرین حدیث کا گمان ہے تو اللہ تعالیٰ یہ مطہر کتاب حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پاک پر نازل کر کے آپ کے ذریعہ سے اس کی تفسیر بیان نہ کرواتا بلکہ اسے ایک لکھی لکھائی کتاب کی شکل میں زمین پر اتار دیتا۔

---

۱ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ۔ (سورۃ الجمعہ - ۳)
۲ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ۔ (الانبیاء - ۷۹)

دوم: تورات میں سچائی کے قائم کرنے اور پورا تولنے وغیرہ کی تلقین موجود تھی مگر تورات کے احکام پر چلانے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پے در پے انبیاء آتے رہے۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے إِنَّا أَنزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا (المائدہ) کہ ہم نے تورات کو نازل کیا، اس میں ہدایت و نور تھا۔ تورات ہی کے مطابق وہ نبی فیصلے کرتے تھے جو اس کے تابع تھے۔

سوم: شریعت کے احکام پر عمل کے لئے خالی عالم "سمجھ" کافی نہیں ہوتی۔ اگر ایسا ہوتا تو تمام عالم لوگ صلحاء و ابرار میں شامل ہو جاتے مگر علم پر حقیقی عمل کے لئے علم کے ساتھ تقویٰ اور خدا پر کامل ایمان بھی ضروری ہے اور یہ بات بجائے خود نبیوں کے ذریعہ سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ ان کے ذریعہ ہی زندہ اور گناہ سوز ایمان پیدا ہوتا ہے اور دلوں کو منور کرتا ہے۔

مندرجہ بالا بیان کے بعد اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام نے عورتوں کے حقوق کے بارے میں کیا تعلیم دی ہے اور آپ نے کس مسلک پر اپنی جماعت کو قائم فرمایا ہے۔ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ عورتوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"اے عورتو! فکر نہ کرو۔ جو تمہیں کتاب ملی ہے وہ انجیل کی طرح انسانی تصرف کی محتاج نہیں اور اس کتاب میں جیسے مردوں کے حقوق محفوظ ہیں عورتوں کے حقوق بھی محفوظ ہیں۔" (کشتی نوح ص۲۶)

پھر آپ اپنی جماعت کو تعلیم دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:-

"جو شخص اپنے ماں باپ کی عزت نہیں کرتا اور امور معروفہ میں جو خلاف قرآن نہیں ہیں ان کی بات کو نہیں مانتا اور ان کے تعہدِ خدمت سے لاپرواہ ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص اپنی اہلیہ اور اس کے اقارب سے نرمی اور احسان کے ساتھ معاشرت نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے ..... ہر ایک مرد جو بیوی سے یا بیوی خاوند سے خیانت سے پیش آتی ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔" (کشتی نوح ص۱۸)

یہ وہ بنیادی مسلک ہے جس پر حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام نے اپنی جماعت کو قائم فرمایا۔ ہمارے نزدیک عورتوں کے تمام حقوق قرآن میں محفوظ ہیں، اور جو شخص احمدی مسلمان کہلا کر عورتوں کو قرآن کے بیان فرمودہ حقوق ادا نہیں کرتا وہ ہرگز احمدی جماعت میں شامل نہیں ہے۔ جماعت احمدیہ مقدور بھر اس شاہراہ پر گامزن ہے۔ پس اگر یہ سچ ہے کہ "ہمارے موجودہ حالات اس امر کے متقاضی تھے کہ عورتوں کا ایک نبی مبعوث کیا جاتا" تو یقیناً اللہ تعالیٰ نے اسلامی شریعت کے مطابق حقوقِ نسواں کے قیام کے لئے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کو مبعوث فرما دیا ہے۔

(باقی آئندہ)

قسط ۲

البیان

قرآن مجید کا سلیس اردو ترجمہ مختصر تفسیری مفید حواشی کے ساتھ

یٰاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ

اے لوگو اپنے رب کی جس نے تمہیں (بھی) اور انہیں (بھی) جو تم سے پہلے گذرے ہیں

مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ

پیدا کیا ہے عبادت کرو تاکہ تم (ہر قسم کی آفات سے) بچو۔ جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونے

فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ

اور آسمان کو چھت کے طور پر بنایا ہے اور بادلوں سے پانی اُتارا ہے پھر اس (پانی) کے ذریعہ

بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ

میووں کی قسم کا رزق تمہارے لئے نکالا ہے پس تم سمجھتے بوجھتے ہوئے اللہ کے

[illegible] اس جگہ تمام انسانوں کو خدائے واحد کی عبادت کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ صرف اللہ تعالیٰ کے مستحق عبادت ہونے کیلئے اسکے احسانات کو بیان فرمایا [illegible] ذرہ ذرہ کا خالق ہونا اسکے معبود برحق ہونیکی دلیل ہے۔ یقیناً جو خالق نہیں وہ مستحق عبادت نہیں ہے۔ جب سب انسانوں کو پیدا کرنیوالا، زمین [illegible] آسمان کو بنانیوالا، انکے نظام کو قائم رکھنے والا اور انسانوں کی جملہ ضروریات کو ہر آن پورا کرنیوالا صرف اللہ تعالیٰ ہے تو اسکے غیر کو یہ [illegible] نہیں پہنچتا کہ وہ معبود قرار پائے اور انسانوں کے لئے سزاوار نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی اور کی پرستش کریں۔

[illegible] اُعْبُدُوْا فعل امر کا جمع کا صیغہ ہے۔ عبادت کے عام معنے اطاعت و خضوع کے ہیں۔ کتب لغت میں لکھا ہے۔ عَبَدَ اللّٰهَ : وَحَّدَهٗ [illegible] وَخَدَمَهٗ، وَخَضَعَ، وَذَلَّ، وَطَاعَ لَهٗ (المنجد) کہ اللہ کی عبادت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ (۱) اسکی توحید کا اقرار کیا جائے (۲) اسکے احکام کو بجا لایا جائے (۳) اسکے سامنے خشوع و خضوع اختیار کیا جائے (۴) اپنا کمزور ہونا اور اسکا اعتراف کیا جائے (۵) پوری ہمہ تنگی سے اسکے مقاصد کی تکمیل میں انہماک اختیار کیا جائے۔ قرآن مجید نے ظاہری نیکی کے کاموں کو بھی عبادت قرار دیا ہے مگر اسکے اصل معنے خدا تعالیٰ کے رنگ میں رنگین ہونے اور اسکی صفات کے حصول کے ہیں۔ فرمایا صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ (بقرہ ع) اے لوگو! خدا کے رنگ کو اختیار کرو خدا کے رنگ سے بہتر کوئی رنگ نہیں تم کہو کہ ہم تو اسی کی عبادت کرنے والے ہیں۔

[illegible] اَنْدَادًا لفظ نِدٌّ کی جمع ہے۔ نِدٌّ اور نَدِیْدٌ اس چیز کو کہتے ہیں جو دوسری چیز کی ذات و جوہر میں شریک ہو۔ (مشارکة فی جوهره [illegible]

أَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ○ وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ

ہمسر نہ بناؤ — اور اگر اس (کلام) کے سبب سے جو ہم نے اپنے بندے پر اُتارا ہے تم کسی

عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِنْ مِثْلِهِ ص وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ

(قسم کے) شک میں (مبتلا) ہو تو اس جیسی ایک سورۃ لے آؤ — اور اگر تم سچے ہو تو اپنے غیر اللہ

مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ○ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا

مددگاروں کو (بھی اپنی مدد کے لئے) بُلا لاؤ۔ — اور اگر تم نے (ایسا) نہ کیا

وَلَنْ تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ

اور تم ہرگز (ایسا) نہ کرسکو گے تو اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں بچو۔

أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ○ وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

وہ کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے — اور تو ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں

أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ كُلَّمَا رُزِقُوا

کہ ان کیلئے (ایسے) باغ ہیں — جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ — جب کبھی ان (باغوں) کے پھل

قرآن کریم نے ہر قسم کے شرک کی تردید فرمائی ہے۔ شرک کی تین قسمیں ہیں (۱) ذات میں شریک ٹھہرانا جیسا کہ ثنویہ یا تثلیث پرست فرقے عقیدہ رکھتے ہیں۔ ان کی تردید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا (الف) لَا تَتَّخِذُوا إِلَٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۖ إِنَّمَا هُوَ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ (النحل ع) (ب) لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا إِلَٰهٌ وَاحِدٌ (المائدہ ع) کہ خدا کو بلحاظ ذات کے اہرمن اور یزداں (دو خدا) یا اقانیم ثلاثہ باپ، بیٹا، روح القدس (تین خدا) مت سمجھو وہ اپنی ذات میں احد اور لاشریک ہے (۲) صفات میں شریک ٹھہرانا۔ مثلاً غیر اللہ کو خدا تعالیٰ کی طرح سمیع علیم یا متصرف وغیرہ سمجھنا۔ قرآن مجید نے اس کی بھی تردید فرمائی ہے (دیکھو نمل ع و الفرقان ع) (۳) عبادت میں شریک ٹھہرانا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ کہ تم صرف اپنے رب کی عبادت کرو (بنی اسرائیل ع)

قرآن کریم کا بے نظیر کتاب ہونا اور مشرکوں کا اپنی ساری فصاحت و بلاغت اور اپنے سارے خداؤں کی استمداد کے باوجود اس کی مثل لانے سے عاجز آنا ایک طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کی صداقت کی دلیل ہے تو دوسری طرف اس سے اللہ تعالیٰ کا واحد لاشریک لہٗ ہونا بھی ثابت ہے گویا جس طرح کائنات عالم خدا کی وحدانیت کی مظہر ہے اسی طرح قرآن مجید (کائنات شریعت) بھی اس کی وحدانیت پر شاہد ناطق ہے۔ اسی لئے فرمایا فَإِنْ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَكُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّمَا أُنْزِلَ بِعِلْمِ اللَّهِ وَأَنْ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ فَهَلْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ۔ (ہود ع)

الحجارۃ سے مراد پتھر یا پتھر کا کوئلہ مراد ہو تو اس آگ کی شدت بیان کرنا مقصود ہے اور اگر اس سے حسب منطوق آیت قرآنی إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ

مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ

میں سے کچھ رزق انہیں دیا جائے گا　وہ کہیں گے یہ تو وہی (رزق) ہے جو ہمیں اس سے پہلے بھی دیا گیا تھا

وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ۭ وَلَهُمْ فِیْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّهُمْ

اور اُن کے پاس لایا جائیگا وہ (رزق) ملتا جلتا　اور ان کے لئے ان (باغوں) میں پاک جوڑے ہونگے　اور وہ ان (باغوں)

فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ○ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَسْتَحْیٖٓ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا

کے اندر (ہمیشہ) رہیں گے　اللہ ہرگز نہیں رُکتا　کسی بات کے بیان کرنے سے (خواہ)

بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۭ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَیَعْلَمُوْنَ

مچھر کے برابر ہو یا اس سے (بھی) بڑھ کر ہو　پھر جو لوگ (تو) ایمان رکھتے ہیں وہ تو جان لیتے ہیں کہ

اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَیَقُوْلُوْنَ

وہ ان کے رب کی طرف سے بالکل حق (بات) ہے　اور جو لوگ کافر ہوتے ہیں　وہ کہتے ہیں کہ (آخر)

مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ یُضِلُّ بِهٖ كَثِیْرًا وَّیَهْدِیْ

اللہ کا اس (بات) کے بیان کرنے سے منشاء کیا ہے (اصل بات یہ ہے کہ) وہ بہت سے لوگوں کو اسکے ذریعہ سے گمراہ قرار دیتا ہے اور

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ (الانبیاء ع) مشرکوں کے بُت مراد ہوں تو علاوہ آگ کی شدّت کے حسرت اور ندامت پر بھی دلیل ہے۔

١٢؎ جنت میں نیکیاں اور نیک اعمال ثمرات کی شکل میں نظر آئیں گے اور ان کی روحانی لذتیں متمثّل ہو کر دکھائی دینگی تو مومن پکار اٹھیں گے هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ۔ سچ یہی ہے کہ اگلے جہان کی لذتوں کے ادراک کی قوت اسی دُنیا میں ملتی ہے۔ فرمایا مَنْ كَانَ فِیْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰی فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰی وَاَضَلُّ سَبِیْلًا۔ (بنی اسرائیل ع)

١٣؎ قرآن مجید نے جس طرح نیکوکار مردوں کو جنت کی بشارت دی ہے اسی طرح اس نے نیکوکار عورتوں کو بھی جنت کا مستحق قرار دیا ہے۔ فرمایا وَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا یُظْلَمُوْنَ نَقِیْرًا۔ (نساء ع) قرآن مجید پہلے اس اعلان میں منفرد ہے آیت وَلَهُمْ فِیْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ میں پاکیزہ رشتۂ زوجیت کے دائمی اور غیر منقطع ہونے کا بیان ہے۔

١٤؎ جن بہت سے لوگوں کو اللہ تعالیٰ قرآن کے ذریعہ گمراہ ٹھہراتا ہے وہ فاسق لوگ ہیں جو اپنے بد اعمال کے باعث گمراہی کے مستحق ہو گئے تھے کیونکہ انہوں نے خدا سے کئے ہوئے عہد کو توڑ ڈالا۔ ان نیک وجودوں سے کنارہ کش ہو گئے جن سے انہیں بہرہ یاب ہونا چاہیئے تھا اور عام مخلوق میں فتنہ و فساد برپا کرنا ان کا شیوہ بن گیا۔ ایسے لوگ یقیناً گمراہ اور فاسق ہیں۔ ایسے لوگوں کو ہی خدا کی کتاب گمراہ قرار دیتی ہے ◆

بِهٖ كَثِيْرًا ط وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ

بہت (صالحوں) کو اسکے ذریعہ سے ہدایت دیتا ہے اور وہ اسکے ذریعہ ان نافرمانوں کے سوا (کسی کو) گمراہ نہیں قرار دیتا۔ جو اللہ کے عہد کو

عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ص وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ

اس کے پختہ کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور اس چیز کو جسے ملانے کا اللہ نے حکم دیا

اَنْ يُّوْصَلَ ۲۹ وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ ط اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

ہے کاٹتے ہیں اور زمین میں فساد کرتے ہیں وہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ج ثُمَّ

تم کس طرح اللہ کی باتوں کا انکار کرتے ہو حالانکہ تم بے جان تھے پھر اس نے تمہیں جاندار بنایا پھر (ایک دن آئیگا کہ)

يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۳۰ ۝ هُوَ الَّذِىْ

وہ تمہیں مارے گا پھر تمہیں زندہ کرے گا پھر تمہیں اسی کی طرف لوٹایا جائے گا وہ (خدا) وہی (تو) ہے

خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ق ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ ۳۱

جس نے ان تمام چیزوں کو جو زمین میں ہیں تمہارے (فائدہ کے) لئے پیدا کیا ہے پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا

۲۹ه اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کے ملانے کا حکم دیا ہے فاسق ان کو کاٹتے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کی خدمت اور اطاعت کا حکم دیا ہے لیکن فاسق ماں باپ کی خدمت سے انکار کرتا ہے اور ان کی نافرمانی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صحبتِ صالحین اختیار کرنے کا ارشاد فرمایا ہے۔ فاسق ان سے دور رہتا ہے بلکہ ان کا مقابلہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مساکین و یتامیٰ کی پرورش کا حکم دیا ہے فاسق ان پر ظلم و تعدی کرتا ہے۔ غرض ہر جگہ جہاں خداوند تعالیٰ نے وَصْل کا حکم دیا ہے فاسق فَصْل اختیار کرتا ہے۔

۳۰ه واقعاتی شواہد سے ہستیٔ باری تعالیٰ کے ثبوت پیش فرماتا ہے۔ انسان پر موت و حیات کے دور بتلاتے ہیں کہ ایک بالا ہستی ترتیب سے ان تمام امور کو معرضِ وجود میں لا رہی ہے۔ نہ اتفاقی حادثہ ہے اور نہ ہی انسان کی مرضی اور تجویز سے ایسا ہو رہا ہے۔

۳۱ه لغت میں لکھا ہے سماء کل شیٔ اعلاہٗ (المفردات) کہ ہر چیز کا اوپر کا حصہ اس کا سماء ہے۔ پس اس جگہ السماء سے اجرامِ علویہ مراد ہیں۔ اور سبع سمٰوٰت کے لفظ سے آسمانی نظام کی تکمیل کی طرف اشارہ ہے اور اس کے مکمل اور مفید ہونے کا بیان کیا گیا ہے۔ زمین و آسمان کا سارا کارخانہ خدائے علیم و قدیر کے وجود پر ایک محکم دلیل ہے۔

فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ وَاِذْ

تو انہیں مکمل بنا دیا یعنی سات آسمانوں کو اور وہ ہر ایک بات (کی حقیقت) کو خوب جانتا ہے۔ اور (اے انسان تو)

قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ۭ

اسوقت کو یاد کر) جب تیرے رب نے ملائکہ سے کہا (کہ) میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں (اس پر)

قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاۗءَ ۚ

انہوں نے کہا (کہ) کیا تو اس میں (ایک ایسا شخص) پیدا کریگا جو اسمیں فساد کریگا اور خون بہائے گا

وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۭ قَالَ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ

اور ہم (تو وہ ہیں جو) تیری حمد کے ساتھ (ساتھ تیری) تسبیح بھی کرتے ہیں اور تجھ میں سب بڑائیوں کے پائے جانیکا اقرار کرتے ہیں (اس پر اللہ نے) فرمایا

مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاۗءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ

میں یقیناً وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ اور (اللہ نے) آدم کو سب نام سکھاتے پھر (جن چیزوں کے وہ نام تھے) انکو

عَلَي الْمَلٰۗئِكَةِ ۙ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔـوْنِىْ بِاَسْمَاۗءِ ھٰٓؤُلَاۗءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

ملائکہ کے سامنے (پیش) کرکے فرمایا (کہ) اگر تم درست بات کہہ رہے ہو تو تم مجھے ان کے نام بتاؤ۔

۳۲ خلیفۃ کے معنوں میں لکھا ہے الخلیفۃ: من یخلف غیرہ ویقوم مقامہ۔ الامام الذی لیس فوقہ امام (المنجد) جو کسی کا جانشین ہو اور اسکی نیابت کرے وہ اس کا خلیفہ ہے۔ شرعاً وہ امام خلیفہ کہلائیگا جس کے اوپر کوئی اور امام نہ ہو۔ حضرت آدم کو اللہ تعالیٰ نے اسلئے مقرر فرمایا کہ وہ اسکے احکام اور امر کو نافذ کریں۔ اسلئے حضرت آدم اللہ تعالیٰ کے خلیفہ تھے۔ نیز وہ انسانوں کے مطاع اور امام تھے اسلئے بھی وہ خلیفہ تھے۔ روحانی طور پر انسان اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر ہے۔ حدیث نبوی ہے ان اللہ خلق آدم علی صورتہ (مسلم) کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔

۳۳ فرشتوں کی زبان حال کا یہ قول بغرض استفسار ہے۔ خلافت اور امارت کی وہاں ضرورت ہوتی ہے جب کچھ جھگڑے اور فساد واقع ہوں یا متوقع ہوں۔ اسلئے فرشتے جو اپنے اپنے دائرہ کے اندر معلومات رکھتے ہیں استفسار کرنے لگے کہ کیا زمین میں فساد ہونگے اور خونریزی ہوگی نیز یہ کہ ہماری تسبیح و تقدیس کے باوجود ایسی مخلوق کی کیا ضرورت ہے؟ وہ اپنے علم میں زیادتی چاہتے تھے۔

۳۴ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے قیاس کو غلط قرار نہیں دیا۔ گویا یوں فرمایا کہ بے شک انسانوں سے ایسے افعال کا ارتکاب بھی ہوگا مگر بحیثیت مجموعی انسانی تخلیق ضروری ہے۔ انسان صفات الٰہیہ کا کامل مظہر بننے کی قابلیت رکھتا ہے فرشتے ایسے نہیں ہیں۔ اسلئے ان کے موجود ہونے کے باوجود انسانوں کا پیدا کیا جانا ضروری ہے۔

۳۵ الاسماء۔ اسم کی جمع ہے۔ اسم کا لفظ ذات کے علاوہ صفت کے معنوں میں بھی بولا جاتا ہے (کلیات ابی البقاء) اس جگہ

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ

انہوں نے کہا تو بے عیب ہے جو (کچھ) تو نے ہمیں سکھایا ہے اسکے سوا ہمیں کسی قسم کا علم نہیں ہے یقیناً تو ہی کامل علم والا (اور

الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ۝ قَالَ یٰۤاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ ۚ فَلَمَّاۤ

ہر قول اور فعل میں) حکمت کو مدنظر رکھنے والا ہے (اس پر) فرمایا اے آدم ان (فرشتوں) کو ان (چیزوں) کے نام بتا پھر جب

اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ غَیْبَ

اس (یعنی آدم) نے ان کو ان کے نام بتائے (تو) فرمایا کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ میں یقیناً

السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۙ وَ اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا كُنْتُمْ

آسمانوں اور زمین کی چھپی باتیں جانتا ہوں اور میں (اسے بھی) جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور (اسے بھی) جو تم

تَكْتُمُوْنَ ۝ وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ

چھپاتے تھے۔ اور (اس وقت کو بھی یاد کرو) جب ہم نے فرشتوں سے کہا تھا کہ آدم کی فرمانبرداری کرو

فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰى وَ اسْتَكْبَرَ ۗ وَ كَانَ

اس پر انہوں نے تو فرمانبرداری کی مگر ابلیس (نے نہ کی۔ ابلیس) نے انکار کیا اور تکبر کیا اور

الاسماء سے مراد بعض لوگوں نے چیزوں کے نام لئے ہیں لیکن درحقیقت اس جگہ اسماء الٰہیہ مراد ہیں جن کے متعلق فرمایا ہے
وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا (اعراف ع۲۲)

۳۶ فرشتوں کو اپنے دائرہ کی محدودیت کا فوراً احساس ہوگیا جس کا انہوں نے اسی وقت اعتراف کرلیا۔ یہ مکالمہ اللہ تعالیٰ کی شان اور فرشتوں کے حالات کے مطابق عالم مثال کا مکالمہ ہے۔

۳۷ عربی زبان میں سجدہ کے معنے اطاعت، فرمانبرداری اور تذلل کے ہیں۔ اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ کے دو معنے ہو سکتے ہیں۔
(۱) آدم کی پیدائش کی وجہ سے تم خدا کے حضور سجدہ شکر بجالاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کامل مخلوق پیدا کی ہے۔
(۲) آدم کی اطاعت کرو یعنی اس کے مقاصد اور مصالح میں اس کے ممد و معاون ہو۔

۳۸ ابلیس کا مادہ اِبْلَاسٌ ہے۔ جس کے معنے مایوسی، شدید حزن، حیرت اور زبان بندی کے ہیں۔ ابلیس شیاطین کا افسر اعلیٰ ہے جس طرح جبریل ملائکہ کا افسر اعلیٰ ہے۔ یہ غیر مرئی وجود بھی ہیں اور ان کے مظاہر انسانوں میں سے بھی ہوتے ہیں ۔

مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ○ وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ

کافروں میں سے ہو گیا ۔ اور ہم نے (آدم سے) کہا (کہ) آدم تو اور تیری بیوی جنت میں رہو

الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ص وَلَا تَقْرَبَا

اور اس میں سے جہاں سے چاہو بافراغت کھاؤ مگر اس

هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○ فَاَزَلَّهُمَا

درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے ۔ اور (اسکے بعد یوں ہوا کہ)

الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ص وَقُلْنَا

شیطان نے اس (درخت) کے ذریعہ سے ان (دونوں) کو (انکے مقام سے) ہٹا دیا اور (اس طرح) انکو انہیں اس (حالت) سے جس میں وہ تھے نکال دیا اور (اسکے

اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ج وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ

نتیجہ میں) ہم نے (انہیں) کہا (کہ یہاں سے) نکل جاؤ تم میں سے بعض بعض کے دشمن ہیں ۔ اور (یاد رکھو کہ) تمہارے لئے ایک (مقرر) وقت

مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ○ فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ

تک اسی زمین میں جائے رہائش اور سامانِ معیشت (مقدر) ہے ۔ اسکے بعد آدم نے اپنے رب سے کچھ (دعائیہ) کلمات سیکھے

ف۵۲ الجنّة ۔ جنت کے معنے باغ اور مخفی مقام کے ہیں ۔ حضرت آدمؑ جس جنت میں رکھے گئے تھے وہ اسی زمین کے ایک خطہ میں تھی ۔ کیونکہ اول تو اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کی پیدائش ہی زمین پر مقدر فرمائی تھی اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ۔ دوم اخروی جنت کے متعلق فرمایا ہے وَمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ (الحجر ع) کہ جنتی کبھی اس جنت سے نکالے نہ جائیں گے پس حضرت آدمؑ کی جنت (آرامگاہ) اسی زمین پر تھی نہ کہ کسی اور جگہ۔

ف۵۳ الشجرة ۔ درخت اور شجرہ نسب دونوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے (المنجد، درخت یا پودے کی قرآن مجید میں کوئی تعیین نہیں کی گئی ہاں اتنا بتایا ہے کہ اس درخت کے قریب جانے سے حضرت آدمؑ کا تکالیف میں پڑنا لازمی تھا فرمایا فتکونا من الظّٰلمین ۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى (طٰہٰ ع) کہ ابلیس آدمؑ اور حوا کا دشمن ہے اور ابلیس اور اسکی ذریت سے تعلق پیدا کرنا آدمؑ کو آرام و راحت کی جنت سے نکالنے والا ہے ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ۔ ہمارے جد امجد ابلیس کی قسم پر اعتبار کر کے ٹھکے اور چین کی زندگی سے علیحدہ ہو کر ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے اور ذریت ابلیس کا شجرہ ملعونہ تا قیامت نسل آدم کا دشمن ہے ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ (اعراف ع) کہ اے آدم زادو! ایسا نہ ہو کہ شیطان تمہیں پھسلا کر اسی طرح جنت سے نکال دے جس طرح اس نے تمہارے ابتدائی والدین کو جنت سے نکلوا دیا تھا ۔ پس معلوم ہوا کہ شجرۂ ممنوعہ ابلیس اور اس کی ذریت ہے ۔

كَلِمٰتٍ ۳۱ فَتَابَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○

(اور ان کے مطابق دُعا کی) تو وہ (یعنی اللہ) اس کی طرف (پھر فضل کے ساتھ) متوجہ ہوا یقیناً وہی (بندوں کی مصیبت کے وقت) بہت ہی توجہ

قُلْنَا اهْبِطُوْا ۳۲ مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ

کرنیوالا اور بار بار رحم کرنیوالا ہے ۔ ہم نے کہا جاؤ (اس میں سے سب نکل جاؤ (اور یاد رکھو کہ) پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی

هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

ہدایت آئے تو جو لوگ میری ہدایت کی پیروی کریں گے انہیں نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ

يَحْزَنُوْنَ ۳۳ ○ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ

غمگین ہوں گے ۔ اور جو (لوگ) کفر کریں گے اور ہماری آیات کو جھٹلائیں گے

اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۳۴ ○ ع ۴ ۴

وہ دوزخ (میں پڑنے) والے ہیں اور وہ اس میں لبسیں گے ۔

۳۱ اللہ تعالیٰ نے جو کلمات تو حضرت آدمؑ کو سکھائے تھے وہ یہ تھے رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (اعراف ع) کہ اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اب اگر تو مغفرت نہ فرمائے اور رحم نہ کرے تو ہم یقیناً نقصان اٹھانیوالوں میں جائینگے۔

۳۲ عربی زبان میں ھبوط کے معنے بلندی سے اُترنے کے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ چلے جانے کے آتے ہیں ھبط فلان من الجبل کے معنے نزول ہونگے لیکن ھبط من موضع الی آخر کے معنے اِنْتَقَلَ ہونگے (المنجد) لفظ ھبوط خود قرآن مجید میں اِهْبِطُوْا مِصْرًا (بقرہ ع) میں بمعنی انتقال مکانی کے معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔ چونکہ فساد کی وجہ سے تعلقات تلخ سخت تلخ تھے اسلئے حضرت آدمؑ کو انتقال مکانی یا ہجرت کا حکم دیا گیا۔

۳۳ خوف و حزن نہ ہونا جنّت کے مقام کا خاصہ ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ جو لوگ آئندہ ہدایت الٰہی کی پیروی کرتے رہیں گے خدا تعالیٰ انہیں پھر وہی جنّت عطا فرمائے گا جس سے شیطان ان کو نکالنا چاہتا ہے۔ ہادیوں کا تسلسل ذریت آدمؑ کی رہنمائی کے لئے ضروری ہے۔

۳۴ خلود کے معنے لمبے زمانہ تک ایک حالت میں رہنے کے ہیں۔ خلود کے لئے دوام شرط نہیں۔ کتب لغت و تفسیر میں لکھا ہے وفی الاصل الثبات المدید دام ام لم یدم (کلیات ابی البقاء و تفسیر بیضاوی) چونکہ جنّت کے متعلق قرآن مجید نے عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ (ھود ع) فرمایا ہے کہ وہ ابدالآباد کے لئے ہے اور غیر منقطع ہے اور جہنم کو لٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا (النبا ع) کہہ کر بہرحال منقطع قرار دیا ہے اسلئے اہل جنّت کے لئے جب خٰلِدُوْنَ کا لفظ آئے گا تو اسکے معنے ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔ مگر جب اہل جہنم کے لئے خٰلِدُوْنَ کا لفظ آئے گا تو اس کے معنے لمبے زمانہ تک ٹھہرنے والے کئے جائیں گے۔ فافہم! +

مذاکرۂ علمیہ

حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کی ہندوستان میں تشریف آوری

دو سوال اور ان کے جواب

جناب شیخ عبد القادر صاحب لائلپور

سوال نمبر ۱:۔ جماعت احمدیہ کا نظریہ ہے کہ حضرت مسیح ناصری فلسطین سے ہجرت کر کے ہندوستان میں آ گئے۔ شمال مغربی ہندوستان میں جو یہود زمانہ قدیم سے آباد تھے ان میں آپ نے اپنے دین کی اشاعت کی کشمیر میں فوت ہوئے جہاں آپ کی قبر آج تک موجود ہے۔ اگر دین عیسوی کشمیر اور شمال مغربی ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں پھیلا تو تاریخ یا آثار قدیمہ سے اس کی شہادت ملنی ضروری ہے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ بدھ مت اور ہندو مت کے آثار ملتے ہیں لیکن دین عیسوی کے آثار نہیں ملتے؟

جواب:۔ حضرت مسیح ناصری کی آمد ہندوستان کے متعلق جماعت احمدیہ کا نظریہ تاریخی شواہد پر مبنی ہے۔ ہندوستان کی قدیم تاریخ، آثار قدیمہ اور عیسائی لٹریچر کی تائید اس نظریہ کو حاصل ہے۔ دین عیسوی کے آثار قدیم ہندوستان میں ہمیں ملتے ہیں۔ مختصراً بعض تاریخی و اکتشافات اثریہ کی شہادات درج ذیل ہیں:۔

۱:۔ ہندوؤں کے قدیم مذہبی لٹریچر میں پُران تاریخی اہمیت رکھتے اور ہندوستان کی تاریخ کا ایک ماخذ ہیں۔ "بھوشیہ پران" میں راجہ شالباہن اور حضرت مسیح ناصری کی ملاقات کا ذکر موجود ہے۔[1] یہ بھی لکھا ہے کہ یہ ملاقات ایک ایسے مقام پر ہوئی جو کہ سرینگر کے قریب واقع ہے۔ راجہ شالباہن[1] اور حضرت مسیح ناصری ہمعصر تھے۔ اس ملاقات میں حضرت مسیح ناصری فرماتے ہیں کہ اہل وطن کے ظلم و ستم کے باعث میں نے ہجرت اختیار کی۔ میں مذہب کو پاک و صاف کرنے کے لئے آیا ہوں۔ میرا مذہب محبت، صداقت اور تزکیۂ قلوب پر مبنی ہے۔ میرا نام "یوسا شافت" (یوز آصف) ہے اور عیسیٰ مسیح بھی میرا نام رکھا گیا۔

۲:۔ ہندو لٹریچر کی اس قدیم شہادت کے بعد اب ہم بدھ مذہب کے لٹریچر کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ تبت اور لداخ میں بدھ مذہب کے لٹریچر میں بھی مسیح کی آمد ہندوستان کے آثار ملتے ہیں۔ اس سلسلہ میں پروفیسر نوٹووچ کی کتاب Unknown Life of Jesus Christ ایک معرکہ کی چیز ہے جس میں پروفیسر موصوف نے یہ آثار پورے طور پر جمع کر دیئے ہیں۔ اس کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح ہندوؤں میں یہ روایت پائی جاتی تھی کہ حضرت مسیح کشمیر میں ہجرت کر کے آئے اسی طرح بدھوں میں بھی ایک یقینی تاریخی حقیقت کے طور پر یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ حضرت مسیح ناصری ہندوستان کے مختلف علاقوں میں توحید کا پرچار کرتے رہے۔ اسی سلسلہ میں ایک بہت بڑی شہادت پنڈت جواہر لال نہرو کی ہے۔ آپ اپنی کتاب Glimpses of World History میں لکھتے ہیں:۔

[1] سُوتا بھوشیہ مہا پران صفحہ ۲۸۲ مطبوعہ ۱۹۱۰ء ممبئی۔ اس حوالہ پر مفصل تبصرہ الفرقان جنوری و فروری ۱۹۵۲ء میں ملاحظہ ہو۔

[1] ملاحظہ ہو سنسکرت انگلش ڈکشنری Kaby زیر لفظ "شالباہن"۔

"All over Central Asia, in Kashmir and Laddakh and Tibet and even farther North, there is still a strong belief that Jesus or Isa travelled about there" (Page 84)

کہ تمام وسطی ایشیا کشمیر، لداخ اور تبت اور اسی طرح اس سے اگلے شمالی علاقہ میں اب بھی یہ مضبوط یقین پایا جاتا ہے کہ یسوع یا عیسیٰ نے ان علاقوں میں سفر اختیار کیا۔"

پنڈت جواہر لال نہرو کے پیش نظر قدیم ہندو اور بُدھ لٹریچر کی شہادتیں اور وہ روایات ہیں جو کہ ان علاقوں میں زیادہ تر بدھوں میں اور بعض جگہ ہندوؤں میں بھی مشہور ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح ناصری نے ہندوستان کا سفر اختیار کیا۔

یہاں یہ ذکر کر دینا ضروری ہے کہ جس طرح اناجیل میں حضرت مسیح کے سوانح میں بعض جگہ غلط رنگ آمیزی کر دی گئی ہے اسی طرح ہندو لٹریچر میں تو نہیں زیادہ بدھ لٹریچر میں یہ لکھا ہے کہ حضرت مسیح ناصری بچپن میں ہندوستان آئے نہ کہ واقعۂ صلیب کے بعد۔ ہندو لٹریچر میں جو ان کا مذکورہ حوالہ اس غلطی کے ازالہ کے لئے پیش نظر ہے جس میں صاف لکھا ہے کہ حضرت مسیح کو جب ان کے وطن میں دشمنوں نے تکالیف پہنچائیں تو وہ کشمیر میں ہجرت کر کے آ گئے۔ گویا آپ واقعۂ صلیب کے بعد ہندوستان میں گئے نہ کہ پہلے۔

۳۔ حضرت مسیح ناصری کے نقش قدم پر انکے ماننے والے بھی ہندوستان میں وارد ہوئے۔ انجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے متبعین سے یہ وعدہ کیا تھا کہ جہاں میں جاتا ہوں وہاں تمہیں بھی آنا ہوگا۔ اپنی ہجرت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

"میرے باپ کے گھر میں بہت سے مکان ہیں۔ میں تم سے کہتا ہوں کہ یہ اچھا ہے کہ میں جا کر تمہارے لئے جگہ تیار کروں۔ اور اگر میں جا کر تمہارے لئے جگہ تیار کروں تو پھر آ کر تمہیں اپنے ساتھ لے لوں گا تاکہ جہاں میں ہوں تم بھی ہو۔" (یوحنا ۱۴/۲-۳ ترجمہ انجیل از پروفیسر ٹوری)

اس قسم کی باتوں سے یہود نے بھی یہی سمجھا کہ آپ ارض فلسطین چھوڑ جائیں گے:۔

"لوگوں نے اس کو جواب دیا کہ ہم نے شریعت کی یہ بات سنی ہے کہ مسیح ابد تک (یروشلم میں) رہے گا۔ پھر تو کیونکر کہتا ہے کہ ابن آدم ضرور ہی (یہاں سے) جانے والا ہے؟[1]" (یوحنا ۱۲/۳۴ ترجمہ انجیل از ٹوری)

"لوگوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ جن علاقوں میں یہودی اسباط منتشر ہیں آپ وہاں جانے والے ہیں تاکہ ان لوگوں میں بھی یہ تعلیمات پھیل سکیں۔" (یوحنا ۷/۳۵)

ان حوالہ جات سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت مسیح ناصری کی یہ سکیم تھی کہ وہ ارض فلسطین سے ہجرت کر کے ان

[1] اس موقع پر عام نسخہ ہائے انجیل میں مختلف ترجمہ دیا گیا ہے۔ پروفیسر ٹوری نے اپنے شائع کردہ ترجمۂ انجیل میں ان کی غلطی ثابت کر کے صحیح ترجمہ دیا ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الفرقان جنوری ۱۹۵۳ء۔

علاقوں میں چلے جائیں[۱] جہاں یہود جلاوطنی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ آپ پہلے جا کر جگہ تیار کریں تا کہ بعد میں آپ کے ماننے والوں کا ایک حصہ بھی وہاں آ سکے۔

قدیم عیسائی لٹریچر سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح ناصری کے بعد چالیس سال کے اندر اندر آپ کے ماننے والوں کا ایک حصہ بھی جوق در جوق ہندوستان میں پہنچتا ہے۔ توما حواری تو آپ کے ساتھ ہی عازم ہندوستان ہو گئے تھے۔ یہ لوگ حواری برتلمائی کی سرکردگی میں آئے۔ ان لوگوں کے پاس آرامی زبان میں انجیل موجود تھی جس کا ایک نسخہ بعد میں اسکندریہ کے کتب خانہ میں لا کر رکھا گیا۔ قدیم عیسائی لٹریچر کے حوالہ جات کے لئے ملاحظہ ہو سمتھ بائیبل ڈکشنری صفحہ ۵۲۴

کشمیر میں بہت سی ایسی قبریں ہیں جو کہ اسلامی طریق پر شمالاً جنوباً کی بجائے یہودی طریق پر شرقاً غرباً بنائی گئی ہیں۔ بعض قبروں پر عبرانی یا آرامی کے مشابہ حروف کندہ ہیں۔ اسی طرح کھدائی میں قدیم عیسائیوں کا ایک قبرستان برآمد ہوا ہے۔ الواح کی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قبریں حضرت مسیح ناصری کے ماننے والوں کی ہیں اور یہ کہ وہ موجودہ عیسائیت سے مختلف ہیں۔ پادری برکت اللہ صاحب ایم اے اپنی کتاب تاریخ کلیسائے ہندوستان حصہ دوم میں لکھتے ہیں:۔

"حال ہی میں شمالی ہندوستان سے بھی اس قسم کی صلیبیں ملی ہیں۔ یہ صلیبیں کشمیر کی قدیم قبروں میں پہاڑ کی وادی سے دستیاب ہوئی ہیں۔ ان کی بناوٹ، ان کے نقش و نگار اور الواح کی عبارت کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صلیبیں نسطوری ہیں اور قبریں نسطوری مسیحیوں کی ہیں۔ یہ امور ثابت کرتے ہیں کہ قدیم صدیوں میں کشمیر میں بھی مسیحی کلیسیائیں جابجا قائم تھیں۔ اور وہاں نسطوری مسیحی بکثرت آباد تھے"

(صفحہ ۱۵۷)

یہاں یہ وضاحت کرنا ضروری ہے کہ قدیم نسطوری مسیحی موجودہ عیسائی عقائد سے مختلف عقائد رکھتے تھے اس لئے ان کو روم کے پوپ نے بدعتی قرار دے رکھا تھا۔ وہ زیادہ تر مشرقی ممالک میں پھیل گئے اور کلیسیائے روم سے اپنا تعلق منقطع کر لیا۔ عیسائی محققین جہاں مشرق میں ایسے آثار پاتے ہیں جو کہ موجودہ عیسائیت سے مختلف ہوتے ہیں وہ ان کو نسطوری قرار دے دیتے ہیں جیسا کہ جنوبی ہندوستان میں "توما حواری کے عیسائیوں" کے متعلق یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ نسطوری اور یعقوبی فرقوں کے زیر اثر موجودہ عیسائیت سے مختلف عقائد رکھتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اصل عیسائیت اور موجودہ عیسائیت میں بُعد المشرقین ہے۔ ہندوستان کے

---

[۱] یوحنا ۷/۳۵ (مندرجہ بالا حوالہ) کی تفسیر میں پیکس تفسیر بائیبل میں لکھا ہے:۔

"قوم یہود کے سردار مسیح کو گرفتار کرنا چاہتے تھے۔ مسیح اس خطرہ سے باخبر تھا۔ وہ اپنے دوستوں کو کہتا ہے کہ وہ ان کے ساتھ زیادہ دیر تک نہ رہیگا..... شاید مسیح ان علاقوں میں جانے کیلئے سوچ رہا تھا جہاں یہود جلاوطنی کے بعد بس گئے تھے"۔

قدیم عیسائی حضرت مسیح ناصری کی الوہیت کے قائل نہ تھے؛ وہ خالص توحید پر قائم تھے؛ وہ موجودہ عیسائی رسومات اور مشرکانہ عقائد سے بالکل ناواقف تھے۔

گبن لکھتا ہے کہ پرتگیزوں نے جب ان کو مریم کا بُت تحفہ کے طور پر پیش کیا تو انہوں نے زبردست احتجاج کیا کہ ہم عیسائی ہیں نہ کہ بُت پرست۔ کیا آپ ہمیں بُت پرست سمجھتے ہیں؟"[1] گویا ہندوستان کے ابتدائی عیسائی اصل عیسائیت کے علمبردار تھے وہ نسطوری اور یعقوبی فرقوں کے اثر کی وجہ سے نہیں بلکہ اس حقیقی تعلیم کی رُو سے جو کہ ہندوستان میں حضرت مسیح ناصری اور ان کے بعض حواریوں نے پیش کی اصل عیسائیت پر قائم اور موجودہ عیسائی عقائد سے سراسر ناواقف تھے۔[2]

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ کشمیر سے برآمد ہونے والے عیسائی قبرستان کے آثار سے جب یہ معلوم ہوا کہ کشمیر کے ابتدائی عیسائی موجودہ عیسائیوں سے مختلف ہیں تو اُن کو نسطوری بھی خیال کر لیا گیا۔

بہرحال کشمیر کا یہ قدیم عیسائی قبرستان ایک زبردست ثبوت ہے کہ ابتدائی مسیحی صدیوں میں یہاں حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے ماننے والے موجود تھے۔

۵۔ ہندوستان میں عیسائیت کے قدیم آثار کے متعلق پروفیسر ٹی۔ ایل۔ شاہ لکھتے ہیں:

"بعض علماء کا خیال ہے کہ (شمال مغربی ہندوستان کے) بادشاہ گونڈوفرس نے جو پہلی (زرتشتی) مذہب کا مقلد تھا اپنی زندگی کے آخری سالوں میں (یعنی اندازاً ۴۰ء میں) مسیحیت کو اختیار کر لیا تھا۔ دیگر علماء کہتے ہیں کہ اگرچہ وہ خود مرید نہیں ہوا تھا تاہم وہ مسیحیت کو بڑا عادی عزت اور ہمدردی کی نگاہوں سے دیکھتا تھا۔ ہم جانتے ہیں کہ انہیں ایام کے نزدیک مسیحیت وجود میں آئی تھی اور اپنے اندر تازگی رکھتی تھی جو لوگوں کو متاثر کرتی تھی۔ اس مذہب کے مبلغ مقدس توما کی جاذب شخصیت نے اس کو نئے دین کی جانب راغب کیا تھا۔"

(Ancient India vol III)

۶۔ پادری برکت اللہ صاحب ایم۔ اے اپنی کتاب تاریخ کلیسائے ہندوستان حصہ اول میں ثابت کرتے ہیں کہ توما رسول ۴۸ء عیسوی میں ٹیکسلا آئے۔ یہاں آپ نے کلیسیائیں قائم کیں۔ آپ نے اور آپ کے جانشینوں نے پنجاب شمال مغربی ہندوستان کے دوسرے مقامات اور افغانستان میں بھی عیسائی دین کو اشاعت دی۔ بعد ازاں آپ جنوبی ہند میں چلے گئے اور وہاں کلیسیائیں قائم کیں۔ وہیں آپ دفن ہوئے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو حصہ اول و حصہ دوم ص۵)

اسی طرح آپ ثابت کرتے ہیں کہ ابتدائی مسیحی صدیوں میں:۔

"بلوچستان اور افغانستان کے قرب و جوار میں مسیحی کلیسیائیں قائم تھیں۔" (حصہ دوم ص۱۱)

۷۔ محققین اس امر سے حیران ہیں کہ ہندوستان کا قدیم لٹریچر حضرت مسیح ناصری کی تعلیمات سے متاثر ہے خصوصاً گیتا پر آپ کی تعلیمات کا گہرا اثر نظر آتا ہے (گیتا ابتدائی مسیحی صدیوں میں لکھی گئی یا نئے سرے سے ترتیب دی گئی۔) ڈاکٹر لارنسر (Lorinser) نے تو ۱۸۶۹ء میں یہ نظریہ پیش کر دیا کہ بھگوت گیتا میں حضرت مسیح کی تعلیم کو ہندی لباس پہنایا گیا ہے۔ پروفیسر ونڈش (Windisch) کا اقبال

[1] "عروج و زوال روما" از گبن جلد ۵ ص۲۵

W. R. Phillip "The thirty found Comporences" P. 15

[2] نسطوری عقائد کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ کلیسائے ہندوستان از برکت اللہ ایم۔ اے ص۱۰۱ تا ص۱۰۹

کہتے ہیں کہ انجیل اور گیتا کے بعض مقامات حیران کن طور پر یکساں ہیں۔[1]

اسی طرح صحیفہ "پوران صفت" میں جو کہ اپنی اصل کے لحاظ سے سنسکرت ہے اور قدیم ہندوستانی لٹریچر کی فہرست مرتبہ علامہ ابن ندیم میں شامل ہے بعض تعلیمات اور تمثیلات بعینہٖ وہی ہیں جو کہ انجیل میں درج ہیں۔

قدیم ہندوستانی لٹریچر کی اس اندرونی شہادت سے روز روشن کی طرح ثابت ہے کہ ہندوستان میں حضرت مسیح ناصری کو ماننے والے اور آپ کی تعلیمات کو پھیلانے والے موجود تھے جن سے ہندوستانی لٹریچر بھی کافی حد تک متاثر ہوا۔

سوال نمبر ۲

حضرت مسیح ناصری ہندوستانی زبانوں سے نا آشنا تھے فلسطین میں ذریعہ تبلیغ ان کی مادری زبان تھی ہندوستان میں ذریعہ تبلیغ کونسی زبان تھی جو کہ آپ نے اختیار کی۔ اگر آپ کی مادری زبان ہی ذریعہ تبلیغ تھی تو اس زبان کے آثار کشمیر سے یا ہندوستان کے دوسرے علاقوں سے ملنا ضروری ہیں۔ کیونکہ یہودی قبائل جن کے متعلق یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ وہ ان علاقوں میں آباد ہوگئے تھے یہی زبان بولتے تھے۔

جواب

یہ مسلّم ہے کہ حضرت مسیح ناصری کی مادری زبان آرامی تھی جو کہ صدیوں سے ارضِ مقدس میں رائج تھی۔ اس زبان کی ابتداء مسوپوٹامیا اور شام کے چند اضلاع سے ہوئی لیکن وہ آہستہ آہستہ دور دراز کے مقامات اور مختلف ممالک میں پھیل گئی یہاں تک کہ یہ زبان مشرق میں انٹرنیشنل حیثیت اختیار کر گئی۔ ممالکِ قدیم کی زبانوں میں سے آرامی زبان کا حلقۂ اثر سب سے وسیع تھا۔ یہ زبان بارہ سو سال سے زائد عرصہ تک تقریباً ہر مہذب قوم کے استعمال میں آتی۔ بالآخر اہلِ عرب کی اسلامی فتوحات نے آرامی زبان کا خاتمہ کر دیا اور عربی نے اس کی جگہ حاصل کر لی۔

[1] ملاحظہ ہو تاریخ کلیسیائے ہندوستان حصہ دوم ص ۲۰۵ تا ص ۲۱۰

پہلی صدی عیسوی میں آرامی زبان کی وسعت کا یہ حال تھا کہ دوسری زبانوں کے ساتھ ساتھ بحر اسود سے بالائی مصر تک اور ہندوستان کی حدود سے ایجیئن کے کناروں تک بولی بھی اور لکھی جاتی تھی۔ اسے نہ صرف فلسطین کے یہود بولتے تھے بلکہ یہ اُن بنی اسرائیل کی بھی زبان تھی جو کہ مشرقی ممالک میں پھیلے ہوئے تھے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ فلسطین کے یہودیوں کو آسوری اور بابلی بادشاہوں نے جلا وطن کر کے بیلونیا، میسوپوٹامیا اور ہندوستان کے شمال مغربی علاقوں میں لاکر آباد کر دیا۔ یہ قبائل عبرانی اور آرامی بولتے وطن سے نکلے لیکن چونکہ یہ قبائل پہلے آسوری اور کلدی سلطنتوں کے ماتحت رہے اور پھر ایرانی سلطنت جو کہ دریائے سندھ[1] تک پھیلی ہوئی تھی دو سو سال تک ان پر مسلط رہی' ان سلطنتوں کی درباری زبان آرامی تھی اس لئے اسرائیلی قبائل میں ایک عرصہ کے بعد عبرانی زبان کا رواج نہ رہا۔ (یہ زبان اہلِ یہود کے مدرسۂ دینیات اور علماء کے طبقہ تک محدود ہوگئی) اور آرامی زبان غالب آگئی بجائیکہ آرامی اور عبرانی آپس میں ملتی جلتی زبانیں ہیں۔

قدیم ہندوستان میں آرامی کے آثار ہمیں ملتے ہیں۔ ٹیکسلا سے ایک کتبہ برآمد ہوا ہے جس کا فوٹو ٹیکسلا کے آثارِ قدیمہ کے گائڈ میں شائع کر دیا گیا ہے۔ یہ کتبہ آرامی زبان اور آرامی رسم خط میں ہے (A Guide to Taxila p. 77)

[1] تاریخ بائیبل انسائیکلوپیڈیا بائیبل کی کتاب آستر ۹ کے حوالہ سے لکھا ہے:۔

"یہودی فارس کی سلطنت کے ایک سو ستائیس صوبوں میں یعنی دریائے سندھ سے اتھیوپیا تک جا بجا پھیل گئے تھے" (ص [illegible] اُردو ایڈیشن)

اسی طرح ہندوستان میں خروشتی رسم الخط آرامی رسم الخط کی ہی ایک شاخ ہے جو کہ کم و بیش نوسو سال تک یہاں رائج رہا۔ (کیمبرج ہسٹری آف انڈیا ص۱۲)

انہی شہادات کی موجودگی میں محققین نے یہ ثابت کیا کہ ہندوستان کے شمال مغربی علاقوں (خصوصاً گندھارا) میں دوسری زبانوں کے ساتھ ساتھ خالص آرامی زبان بھی بولی اور لکھی جاتی تھی۔ (کیمبرج ہسٹری آف انڈیا حصہ اوّل ایڈیشن ۱۹۳۵ء ص۶۲)

آرامی زبان چونکہ ایرانی سلطنت کی درباری زبان تھی اسلئے محققین کے نزدیک ہندوستان کے شمال مغربی علاقوں میں آرامی زبان کے آثار ایرانی حکومت کے غلبہ و تسلط کا نتیجہ ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ سادہ نتیجہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ جہاں آرامی زبان اور آرامی رسم خط کے ترویج کا باعث ایرانی سلطنت تھی وہاں ایک بڑی وجہ اسرائیلی قبائل کی اِن علاقوں میں آمد ہے جو کہ آرامی اور عبرانی بولتے اپنے وطن سے نکلے اور ان علاقوں میں لاکر آباد کر دیئے گئے۔ [1]

پروفیسر چارلس کٹلر ٹوری نے جو کہ السنہ سامیہ کے بہت بڑے فاضل ہیں اپنی کتاب "The Four Gospel" میں آرامی زبان پر ایک مبسوط مقالہ شامل کیا ہے جس میں تاریخی شہادتوں کی بنا پر وہ ثابت کرتے ہیں کہ یہود جن ممالک میں جلاوطنی کی زندگی گذار رہے تھے وہاں ان کی زبان آرامی تھی (ص۲۵) ان ممالک میں سے جہاں یہود کے آباد ہونے کا ذکر کیا گیا ایک ملک پارتھیا بھی ہے جس کی مشرقی حدود دریائے سندھ کے کنارے تک جاتی تھیں۔ ہندوستان کا شمالی حصہ پارتھیا کی حدود میں شامل تھا (تاریخ کلیسائے ہندوستان حصہ اوّل ص۳۰)

آرامی زبان کی وسعت کے متعلق پروفیسر مذکور لکھتے ہیں:-

"پہلی صدی مسیحی میں آرامی زبان کی وسعت کا یہ حال تھا کہ اس زبان کے جاننے والے کسی شخص کو بحر اسود سے بالائی مصر تک اور ہندوستان کے حدود سے ایجیئن کے کناروں تک کسی قسم کی دقت پیش نہ آتی تھی۔ وہ ہر جگہ جا سکتا تھا اور اسکی ہر بات سمجھی جاتی تھی۔" (ص۲۵۲)

پہلی صدی مسیحی میں آرامی زبان کی اس وسعت کے پیش نظر غور کیجئے کہ حضرت مسیح ناصری کے پیغام کے لئے یہ زبان کس قدر موزوں تھی۔ آپ کو فلسطین سے لیکر ہندوستان کی حدود تک اور پھر شمال مغربی ہندوستان میں یہودی قبائل میں تبلیغ کے لئے یہ زبان بے حد ممد ثابت ہوئی۔

مزید برآں بدھ مذہب کے قدیم لٹریچر سے تو یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے بعض مقامی زبانیں بھی سیکھیں۔ چنانچہ تبت کے آثار سے بھوج پتر پر لکھے ہوئے حضرت مسیح ناصری کے سوانح برآمد ہوئے ہیں جو روسی سیاح نکولس ناٹووچ نے Unknown life of Jesus Christ کے نام سے شائع کر دیئے ہیں۔ اس کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض

[1] پروفیسر جی۔ اے۔ کک نے اِس نظریہ کی پُر زور تردید کی ہے کہ یہود فلسطین میں آرامی زبان نہ بولتے تھے بلکہ جلاوطنی کے بعد بیلونیا میں آرامی زبان کو اختیار کیا اور وہاں سے جب ان کا ایک حصہ سائرس کے ذریعہ دوبارہ فلسطین میں لاکر بسایا گیا تو وہ آرامی بولتے فلسطین میں داخل ہوئے اور اس زبان کو رواج دیدیا۔ پروفیسر مذکور اپنے مقالہ مندرجہ ہیکس تفسیر بائیبل میں لکھتے ہیں کہ یہ نظریہ غلط ہے۔ کیونکہ آرامی زبان عبرانی کے دوش بدوش جلاوطنی سے قبل فلسطین میں رائج تھی جب بنی اسرائیل آشوری اور بابلی بادشاہوں کے حملوں میں جلاوطن کر دیئے گئے تو وہ آرامی اور عبرانی بولتے اپنے وطن سے نکلے اور جب سائرس نے ان کے ایک حصہ کو دوبارہ ارض مقدس میں آباد کیا تو عبرانی زبان زیادہ تر بھول چکے تھے کیونکہ آرامی بولنے والے لوگوں سے انکو واسطہ تھا چنانچہ وہ آرامی

نوٹ:- یہاں یہ ذکر کر دینا بھی مناسب ہوگا کہ کشمیری زبان بھی عبرانی اور آرامی سے متاثر ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے قابل قدر تحقیق کی جو کہ آپ کی کتاب "تحقیق جدید متعلق قبر مسیح" میں درج ہے۔ آپنے ثابت کیا ہے کہ کشمیری زبان میں عبرانی الفاظ کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ م

مودودی جماعت پر فتویٰ کفر!

مودودی صاحبان کے جوابی موقف پر تبصرہ!!

مودودی صاحبان کی طرف سے چنیوٹ سے ایک پندرہ روزہ اخبار المنیر نکلنا شروع ہوا ہے۔ مدیر المنیر مولوی عبدالرحیم صاحب اشرف لکھتے ہیں کہ "حال ہی میں ایک بہت بڑے عالم دین کا ایک فتویٰ نظر سے گذرا۔" اشرف صاحب نے جو فتویٰ نقل کیا ہے اس میں مودودی جماعت کے بارے میں لکھا ہے کہ:۔

"یہ جماعت گمراہ ہے اسکے عقائد اہل سنت والجماعت اور قرآن و حدیث کے خلاف ہیں۔ یہ جماعت بددین ہے۔ اسکے اصول درجۂ کفر و ضلالت تک پہنچانے والے ہیں۔ ان سے علیحدہ رہنا اشد ضروری ہے۔ اس (جماعت) کے ساتھ مل کر کام کرنا اور تعاون کرنا درست نہیں ہے۔ اس جماعت کی کوششیں اس اسلام کے لئے نہیں ہیں جو کہ حقیقی ہے بلکہ ایک نام نہاد مودودی صاحب کے اختراعی اور نئے اسلام کے لئے ہے۔ یہ لوگ عام مسلمانوں کو دھوکا دینے اور اپنے ہمدم بنانے کے لئے اسلام اور دین کا نام لیتے ہیں۔"

(المنیر ۵ راگست ۵۴ء)

اِس اقتباس سے ظاہر ہے کہ بہت بڑے علماءِ دین بھی مودودی پارٹی کو گمراہ، ضال اور کافر سمجھتے ہیں اور اب اس بارے میں بھلا فتوے شائع کر رہے ہیں۔ مودودی پارٹی اس فتویٰ سے بہت بے چین نظر آتی ہے۔ اب انہیں یہ بات یاد آ رہی ہے کہ جو شخص یا گروہ اپنے آپ کو مسلم کہتا ہو اسے کافر کہنا جائز نہیں ہے۔ حالانکہ اگر علماء بالخصوص مودودی صاحب اس اصل کو تسلیم کر لیں کہ جو شخص یا گروہ اپنے آپکو مسلمان کہتا ہے ہمیں اس کو مسلمان ہی کہنا چاہئیے تو مسلمانوں کا باہمی تفرقہ زائل ہو سکتا ہے اور وہ اس بنیاد پر متحد و متفق ہو سکتے ہیں۔ المنیر کے ایڈیٹر صاحب اس فتویٰ کے جواب میں "تکفیر مسلم کی حیثیت" کے زیر عنوان لکھتے ہیں:۔

"اس سلسلے میں سب سے پہلا مسئلہ سامنے یہ آتا ہے کہ ایک ایسے شخص یا گروہ کو جو اپنے آپکو "مسلم" کہتا ہو کافر کہنے کے لئے کیا کسی احتیاط کی ضرورت ہے یا نہیں اور شریعت اسلامیہ نے اس بارے میں جو ہدایات دی ہیں وہ کیا ہیں؟

سب سے پہلے قرآن مجید سے ہمیں اس سوال کا جواب یہ ملتا ہے:۔

لاتقولوا لمن القی	"اور ایسے شخص کو جو تمہارے
الیکم السلم لست	سامنے اطاعت ظاہر
مؤمناً تبتغون	کرے دنیوی زندگی کے
عرض الحیوٰة الدنیا	سامان کی خواہش میں
فعند الله مغانم	یہ مت کہدیا کرو کہ تو
کثیرة کذٰلك کنتم	مسلمان نہیں کیونکہ خدا
من قبل فمنّ الله	کے پاس بہت غنیمت کے
علیکم فتبیّنوا ان	مال ہیں۔ پہلے تم بھی ایسے
الله کان بما تعملون	ہی تھے پھر اللہ تعالیٰ
خبیراً (النساء)	نے تم پر احسان کیا سو غور

کر لیا کرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھتے ہیں" (ترجمہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-

لا یرمی رجلٌ رجلاً — کوئی شخص دوسرے کو
بالفسوق ولا یرمیہ — فاسق اور کافر نہ کہے
بالکفر الا ارتدت علیہ — کیونکہ اگر وہ ایسا نہ
ان لم یکن صاحبہ — ہوا تو اس الزام کفر و فسق
کذلک (بخاری) — کا وبال کہنے والے پر لوٹے گا۔

اِن آیات و احادیث کی روشنی میں فقہاء اسلام نے جو مسلک اختیار کیا اسے حسب ذیل اقوال سے معلوم کیا جا سکتا ہے:-

ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں:-

وقد ذکروا ان المسئلۃ — صاحبین نے بیان کیا کہ کفر کے
المتعلقۃ بالکفر اذا کان — متعلق سوال میں ضابطہ یہ ہے
لھا تسعۃ و تسعون — کہ اگر کسی بات میں ۹۹ وجوہ
احتمالاً للکفر واحتمال — کفر ہوں اور ایک احتمال
واحد فی نفیہ فالاولیٰ — باقی ہو جس سے کفر کی نفی
للمفتی والقاضی ان یعمل — کی جا سکے تو مفتی اور قاضی
بالاحتمال النافی۔ — کے لئے بہتر یہی ہے کہ اس

احتمال پر عمل پیرا ہوں جس سے کفر کے فتویٰ کی نفی ہوتی ہے۔ اس اصول کی دلیل جو انہوں نے بیان کی وہ اس سے بھی زیادہ توجہ کی مستحق ہے۔ فرماتے ہیں:-

لان الخطاء فی ابقاء الف — اگر غلطی سے ایک ہزار کافر کو
کافر اھون من الخطاء — چھوڑ دیا جائے تو یہ اس سے
فی افناء مسلم واحد۔ — بدرجہا آسان امر ہے کہ غلطی سے
(شرح فقہ اکبر صفحہ ۱۹۹) — ایک مسلمان کو ختم کر دیا جائے۔

علامہ شامی فرماتے ہیں:-

واعلم انہ لا یفتی بکفر — معلوم رہے کہ کسی ایسے مسلمان پر
مسلم امکن حمل کلامہ — فتویٰ کفر صادر نہ کیا جائے
علی محمل حسن او کان فی — جس کے کلام کو صحیح معنے پہنائے
کفرہ خلاف ولو کان — جا سکتے ہوں یا جس کے کفر میں

ذلک بروایۃ ضعیفۃ — ایسے ہی اس شخص کو بھی کافر
(شامی صفحہ ۲۸۵) — نہ قرار دیا جائے جس کے بارے میں

اختلاف ہو اگرچہ یہ اختلاف کسی کمزور روایت پر مبنی ہو۔ یعنی اگر ایک شخص کے بارے میں مفتی کے سامنے اس کے ایسے اقوال رکھے جائیں جن پر فتویٰ کفر عائد کیا جا سکتا ہو لیکن اس کے ساتھ اس شخص کے متعلق ایسی معلومات بھی بہم پہنچا دی جائیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ شخص مذکور کا عقیدہ ان بیّنہ وجوہ کفر کے خلاف ہے تو خواہ یہ معلومات ضعیف روایت پر ہی مبنی ہوں مفتی کو چاہیئے کہ وہ ان پر اعتماد کرتا ہوا فتویٰ کفر صادر کرنے سے گریز کرے۔

درِ مختار میں ہے:-

قال العلامۃ الشامی — علامہ شامی کہتے ہیں کہ جس عبارت
لا یکفر بالمحتمل لان — کے دو احتمال ممکن ہوں اس پر
الکفر نھایۃ فی العقوبۃ — فتویٰ کفر نہ دیا جائے اس لئے کہ
فیستدعی نھایۃ فی — کفر آخری سزا ہے جو انتہائی
الجنایۃ ومع الاحتمال — جرم پر ہی دی جا سکتی ہے اور
لا نھایۃ۔ — جب احتمال پیدا ہو جائے کہ اس
(در مختار باب المرتد) — عبارت سے مراد صحیح اور غلط

دونوں معنی ہو سکتے ہیں تو اسے انتہائی جرم نہیں کہا جا سکتا (انتہائی جرم تو یہ ہے کہ جرم کھلا ہوا اور ناقابل تاویل ہو)

اِن عبارات سے ظاہر ہے کہ علماء سلف نے فتویٰ کفر صادر کرنے میں زیادہ سے زیادہ احتیاط برتی ہے اور جہاں کہیں بھی حسن ظن یا احتمال کا امکان ہو وہاں کسی شخص کے قول اور اس کی عبارت کو ان معنی پر محمول کیا گیا جس سے اسے کفر سے بچایا جا سکے۔ جناب ایڈیٹر صاحب المنیر! ان اقتباسات کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی ایسے شخص کو جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو کافر قرار دینا سراسر غلط ہے اس بارے میں ہر ممکن احتیاط برتنی چاہیئے اور اس شخص کے کلام کی کوئی ایسی تاویل کرنی چاہیئے کہ وہ فتویٰ کفر سے بچ سکے۔ یہ سب باتیں درست ہیں مگر

سوال یہ ہے کہ کیا مودودی پارٹی جماعت احمدیہ کو کافر قرار دیتے وقت اس مسلک پر عمل پیرا ہوتی ہے؟!

قرآن مجید کی وحی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی مشاہدات کا ایک نمونہ!

(۷)

(جناب سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ ایک اور عظیم الشان پیشگوئی میں خدا تعالیٰ سے قطع تعلق کرنے والے لوگوں کا حلیہ اور ان کی ہلاکت کے وقت کی تعیین کرتا اور فرماتا ہے:-

يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ۝ يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ إِنْ لَّبِثْتُمْ إِلَّا عَشْرًا ۝ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ إِذْ يَقُوْلُ أَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً إِنْ لَّبِثْتُمْ إِلَّا يَوْمًا ۝ ..... وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ۝

(سورۃ طٰہٰ)

ترجمہ:- یعنی جس دن بگل بجایا جائے گا اور ان مجرموں کو جن کی آنکھیں نیلی ہیں اس دن ہم جنگ کے لئے اکٹھا کریں گے اور وہ آپس میں دھیمی آواز سے کہیں گے تم ایک دہاکا (دس) سے زیادہ نہیں رہے ہو۔ ہم خوب جانتے ہیں وہ بات جو کہتے ہیں۔ جب ان میں سے جو اچھا طریق کے افضل ہے کہیگا۔ تم ایک دن ہی رہے ہو۔ اور وہ تجھ سے پوچھتے ہیں پہاڑوں کے متعلق سو کہدے کہ میرا رب انہیں گرا کر پیوند خاک کر دیگا اور ان کو ایک صاف چٹیل میدان چھوڑ دیگا۔ تو ان میں نہ کوئی کجی دیکھے گا اور نہ نشیب و فراز۔ اس دن وہ پکارنے والے کے پیچھے چلیں گے جس میں کوئی کجی نہیں اور تمام آوازیں رحمٰن کے لئے نیچی ہو جائیں گی اور تو اس دن سوائے آہستہ آواز کے نہ سنیگا اس دن شفاعت نفع نہ دیگی بجز اس کے کہ جسے رحمٰن نے اجازت دی۔ اور اس کیلئے پسند کیا کہ وہ کہے، وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے۔ اور وہ علم سے اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ اور اس دن تمام منہ حی و قیوم کیلئے جھک جائیں گے۔ اور یقیناً نامراد ہوا جس نے ظلم اٹھایا۔ اور جو اعمال صالحہ بجا لائیگا درانحالیکہ وہ مومن ہے تو اسے نہ ظلم کا کھٹکا رہے گا اور نہ حق تلفی کا ڈر۔ اور اس طرح ہم نے اس وعیدی (یعنی انذاری) پیشگوئی کو مختلف پیرایوں میں بیان کر دیا ہے۔ تاکہ وہ بد انجام سے بچیں ورنہ نئے پیرایہ میں یاددہانی کو تازہ کر دیگا۔ پس بہت ہی بلند مرتبہ وہ بادشاہ برحق ہے اور تو قرآن کے متعلق جلدی نہ کر پیشتر اسکے کہ تیری طرف اس کی وحی پوری کی جائے۔ اور کہہ اے میرے رب مجھے اور زیادہ علم دے"

ان آیات میں مندرجہ ذیل باتیں جو از قبیل اخبار غیبیہ ہیں بیان کی گئی ہیں:-

اول:- بدوں کا نہایت ہی برا بدلہ ہے جو قیامت کے دن ظاہر ہوگا خواہ قیامت صغریٰ ہو یا قیامت کبریٰ۔

علمائے اسلام تسلیم کرتے ہیں کہ قیامتیں دو ہیں۔ ایک چھوٹی قیامت جو دُنیا میں اسی زمین پر قائم ہوگی اور دوسری بڑی قیامت جو آخرت میں جزا و سزا کے دن قائم ہوگی۔

دوم:۔ نیلی آنکھوں والوں سے مراد عربوں کے نزدیک رومی وغیرہ اقوام ہیں جو یورپ کے شمال میں آباد ہیں۔ یہ نام انہیں ان کی نیلگوں آنکھوں کی وجہ سے دیا گیا ہے۔

سوم:۔ اُس دن بگل بجایا جائے گا اور مجرموں یعنی خدا تعالےٰ سے قطع تعلق کرنے والوں کو اکٹھا کیا جائے گا۔

نفخ صور۔ حشر اور ساری زمین کو میدان کا رزار بنائے جانے کا ذکر سورۂ کہف میں بھی بایں الفاظ وارد ہوا ہے:۔

وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً وَحَشَرْنَاهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ أَحَدًا۔

مفسرین کے نزدیک لفظ الجبال (پہاڑوں) سے مراد بڑی بڑی جابر قومیں ہیں جنہیں جنگ کے لئے ہانکا جائے گا۔ انہی معنوں میں سابقہ انبیاء علیہم السلام کی پیشگوئیوں میں پہاڑوں کے ہٹائے جانے کا محاورہ بکثرت استعمال ہوا ہے۔ لفظ حشر کے معنی جنگ کیلئے اکٹھا کرنے کے ہیں جیسا کہ سورۂ حشر میں بھی یہ لفظ انہی معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ جیسا کہ فرماتا ہے۔ هُوَ الَّذِي أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِن دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ۔ یعنی وہی ہے جس نے اہل کتاب میں سے کفار کو اپنے گھروں سے پہلی جنگ کے لئے نکالا۔

غرض سورۂ طٰہٰ کی مذکورہ بالا آیت لفظاً و معناً سورۂ کہف کی مذکورہ بالا آیت کا مثنٰی ہے اور دونوں ہی مسیحی اقوام کے انجام سے تعلق رکھتی ہیں۔ سورۂ کہف میں وقت کی تعیین نہیں مگر سورۂ طٰہٰ میں پیشگوئی کا وقت معین کیا گیا ہے۔

چہارم:۔ یہ نیلی آنکھوں والے آپس میں چپکے چپکے باتیں کرینگے کہ تم ایک دہا کا یعنی ہزار سال گذار چکے ہو۔ چونکہ عہد قدیم کی پیشگوئیوں میں ایک دن سو سال کے برابر لیا جاتا ہے اسلئے آیت إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا عَشْرًا سے یہ پایا جاتا ہے کہ دہا کا کا اندازہ کرنے والی قوم نیلگوں چشم ہے جو عیسائی ہے۔

پنجم:۔ قرآن مجید میں ایک دن اس پیشگوئی کا جس میں اسلام کا دُنیا سے اُٹھایا جانا مقدر ہے ایک ہزار سال کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ سورہ سجدہ میں بھی فرمایا ہے يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ (آیت ۵) یعنی وہ آسمان سے تدبیر کر کے شریعت کو نازل کرتا ہے۔ پھر یہ اس کی طرف ایک دن میں اُٹھ جائے گی۔ جس کی مقدار تمہاری گنتی کے لحاظ سے ایک ہزار سال ہے۔ مفسرین نے اس سے یہی مراد لیا ہے کہ تین صدیوں کے بعد جو کہ اچھی صدیاں ہیں ایک ہزار سال فیج اعوج کا ٹیڑھا زمانہ شروع ہوگا اور اس عرصہ میں قرآن اُٹھ جائے گا۔ جبکہ اس عرصہ میں دجال کا خروج اور ابن مریم کا نزول اور مہدی اور قیامت کی دیگر علامات صغریٰ کا ظہور ہوگا۔

مذکورہ بالا پانچ باتیں اس سورۂ کہف والی عظیم الشان پیشگوئی سے تعلق رکھتی ہیں۔ علاوہ ازیں سورۂ طٰہٰ میں صرف سورۂ کہف والی پیشگوئی ہی کا لفظاً و معناً اعادہ کیا گیا ہے۔ بلکہ صحف سابقہ کی دجال کے متعلق پیشگوئی کے الفاظ کا بھی لفظاً و معناً اعادہ کر کے دونوں پیشگوئیوں کو ایک قرار دیا ہے اور اسی لئے اُن کی میعاد کو بھی إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا عَشْرًا اور إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا يَوْمًا میں لفظ عشر اور یوم سے ایک ہی

قرار دیا اور بتلایا گیا ہے کہ ان عیسائی اقوام کے محاسبہ کی میعاد جو اس دُنیا میں قائم ہوگی ایک ہزار سال کے خاتمہ پر ہے۔ مگر یہ سوال کہ ایک ہزار سال کونسا مراد ہے۔ دوسری آیت میں اَمۡثَلُهُمۡ طَرِيۡقَةً کے الفاظ سے اس کی تعیین کر دی کہ یہ میعاد وہی فیج اعوج والی ہے جس میں شریعت اسلامیہ کا زمین سے اُٹھ جانا مقدر ہے اور وہ چوتھی صدی ہجری میں شروع ہوکر تیرھویں صدی کے آخر تک ختم ہوتی ہے۔ دانیال علیہ السلام کی پیشگوئی میں جو دجال کے عروج و زوال کا عرصہ مقرر کیا گیا ہے وہ ۱۲۶۰ سال کا ہے جو اس وقت سے شروع ہونے والا تھا جب سوختنی قربانی بیت المقدس میں موقوف ہوئی اور جیسا کہ پہلے قدرے تفصیل سے بتایا جا چکا ہے کہ مشہور ہیئت دان علامہ ڈمبل بی کے حساب کی رُو سے یہ عرصہ اٹھارھویں صدی کا آخر ہے۔ لیکن یہاں دانیال نبی والی پیشگوئی کا ذکر نہیں بلکہ ایک ہزار سال کی وہ میعاد مراد ہے جس کا ذکر یوحنا عارف کے مکاشفات باب[۲] میں مذکور ہے جو یہ ہے:-

موعودہ انذار کی میعاد

"آسمان کے ایک فرشتہ نے اس اژدہا یعنی پرانے سانپ کو جس کا نام ابلیس اور شیطان ہے پکڑ کر ہزار برس کے لئے باندھا اور اسے اتھاہ گڑھے میں ڈال کر بند کر دیا اور اس پر مہر کر دی تا کہ ہزار برس کے پورا ہونے تک قوموں کو پھر گمراہ نہ کرے۔ اس کے بعد ضرور ہے کہ اس اژدہا کو تھوڑے عرصہ کیلئے کھولا جائے ..... اور جب ہزار برس پورے ہو چکیں گے تو شیطان قید سے چھوڑ دیا جائیگا اور ان قوموں کو جو زمین کی چاروں طرف ہونگی یعنی یاجوج و ماجوج کو گمراہ کرکے لڑائی کو نکلے گا۔ اس کا شمار سمندر کی ریت کے برابر ہوگا اور وہ تمام زمین پر پھیل جائیگی اور مقدسوں کی لشکرگاہ اور عزیز[۱] شہر کو چاروں طرف سے گھیر لیں گی اور آسمان سے آگ نازل ہو کر انہیں کھا جائے گی۔"

یہ دونوں میعادیں تیرھویں صدی ہجری یا اٹھارھویں صدی عیسوی تک پوری ہوتی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ساتھ شیطان ایک ہزار سال کے لئے باندھا گیا اور یہ قومیں ترقی کرنے سے روک دی گئیں۔ ایک ہزار سال ہجری کے بعد یعنی سترھویں صدی عیسوی میں یورپ کی نیلگوں آنکھوں والی شمالی اقوام نے باہر نکلنا شروع کیا اور دو سو سال میں انہوں نے عروج کیا اور تمام زمین پر چھا گئیں۔

یہ امر کہ ان شمالی اقوام میں اپنی مذہبی کتابوں کی بیان کردہ پیشگوئیوں کی میعاد کے بارے میں اندازہ کرنے کا سوال پیدا ہوا یا نہیں اس کا مختصر اندازہ حاشیہ میں مندرجہ بعض کتابوں کے ناموں سے ظاہر ہے جو اٹھارھویں صدی میں شائع ہوئیں[۲]۔ عجیب

---

[۱] البیت الحرام کے معنے بھی عزیز یعنی عزت والا گھر ہیں۔

[۲]
(۱) The New Era at hand (عصر جدید قریب ہے)
(۲) The Morning Star (ستارۂ صبح)
(۳) Things to Come (وہ باتیں جو ہونی ہیں)
(۴) Advent of the Christ (مسیح کی آمد)
(۵) Future Events (واقعات آئندہ)
(۶) The Easter Questions (ایسٹر سے متعلق مسائل)
(۷) Downfall of Turkish Empire (سلطنت ترکیہ کا زوال)
(۸) The Appointed Time (ساعت موعودہ)
(۹) Islam to Christianity (اسلام بمقابلہ عیسائیت)

بات یہ ہے کہ مسلمانوں نے بھی اسی صدی میں اپنا اندازہ پیش کیا (حجج الکرامہ) اور دونوں اندازے ایک ہزار سال کے بارہ میں متفق ہیں۔ اور یہ امر کہ آیا فی الواقع سورۂ طٰہٰ کی مذکورہ بالا آیات میں سابقہ انبیاء کی پیشگوئی کا بھی حوالہ دیا گیا ہے۔ یسعیاہ نبی کی پیشگوئی کے ان الفاظ سے مقابلہ کرنے سے ظاہر ہو جاتا ہے:۔

"ہر ایک نشیب اونچا کیا جائے۔ ہر ایک کوہ اور ٹیلہ پست کیا جائے۔ ہر ایک ٹیڑھی چیز سیدھی اور ناہموار جگہیں ہموار کی جائیں اور خداوند کا جلال آشکارا ہوگا۔ اور سب بشر ایک ساتھ دیکھیں گے کہ خداوند کے منہ نے یہ فرمایا ہے اور ہر بشر خدا کی نجات دیکھے گا...... یہ ایک دن ہے جو خداوند کو معلوم ہے ...... خداوند ساری دنیا کا بادشاہ ہوگا اور اس کا نام احد ہوگا اور ساری زمین تبدیل ہو کر عرابہ کے میدان کی مانند ہوگی" (زکریاہ ۱۴)

یہ الفاظ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا لَّا تَرَىٰ فِيهَا عِوَجًا وَلَا أَمْتًا کے لفظاً و معناً مترادف ہیں۔ اس مماثلت سے بھی ظاہر ہے کہ سورۂ طٰہٰ کی محولہ بالا آیات میں نہ صرف سورۂ کہف کی پیشگوئی کو ہی بلکہ سابقہ صحف کی پیشگوئی جو جبال کے متعلق ہے اسے بھی دہرایا گیا ہے اور اس میں اس کے ظہور کی میعاد اور اس کا آخری نتیجہ واضح الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

غرض یہ تیسری مثال ہے اس بات کے ثابت کرنے کے لئے کہ سورۂ طٰہٰ میں بھی قیامت اور مجازات کے ذکر کے ساتھ ایک عظیم الشان پیشگوئی کا ذکر بھی پایا جاتا ہے جس کا تعلق یاجوج وماجوج کی نیلگوں آنکھوں والی اقوام کے ساتھ ہے اور اس پیشگوئی میں ایک ایسی مدت کا تعین ہے جو دونوں قوموں کے درمیان متفق علیہ ہے اور اس کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ جس وقت ان پیشگوئیوں کے متعلق اندازہ لگا کے اس میعاد کے متعلق فیصلہ کریں گے وہی وقت خدائے وحدہٗ لاشریک کے جلال کا دن اور بنی نوع انسان کی خجالت کا دن ہوگا۔ خدائے وحدہٗ لاشریک ان کی کھڑی کی ہوئی پہاڑوں جیسی روکوں کو اڑا دیگا اور ساری دنیا کے نشیب و فراز دور ہو کر مساوات قائم ہوگی۔ سورۂ طٰہٰ کی مذکورہ بالا آیتوں میں اس بات کی بھی تصریح کی گئی ہے کہ قرآن کے متعلق جلدی نہ کی جائے بلکہ اس دن کا انتظار کیا جائے جب واقعات اس کی خود تشریح کریں گے۔

سورۂ انبیاء کا موضوع

سورۂ انبیاء میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُ وَعْدًا عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ۔ یعنی جس طرح ہم نے پہلی پیدائش سے شروع کیا اسی طرح ہم اسے دہرائیں گے۔ یہ ہم پر وعدہ ہے اور ہم اسے ضرور پورا کرنے والے ہیں۔ اس آیت کا تعلق حیات آخرت سے بھی ہے اور اس سے چند آیات قبل یاجوج او ماجوج کی اقوام کے متعلق اس پیشگوئی کا اعادہ ہے جس کا ذکر سورۂ کہف میں بایں الفاظ کیا گیا ہے۔ إِنَّ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ مُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ ...... الآیہ۔ یعنی یاجوج و ماجوج دنیا میں فساد کرنے والے ہیں۔ سورۂ انبیاء میں اس فتنہ کا ذکر کرتے ہوئے مندرجہ ذیل باتیں بیان کی گئی ہیں:۔

اوّل:۔ یہ کہ تمام قوموں کے محاسبہ کا وقت قریب آ گیا ہے اور یہ کہ (ذکر محدث) یعنی ایک نئی یاددہانی کی جائے گی۔

دوم:۔ یہ کہ زمین و آسمان کا پیوند اس وقت ٹوٹ جائیگا اور لوگ روحانی زندگی کے لئے آسمانی وحی کے محتاج ہوں گے۔

سوم:۔ یہ کہ جس طرح مادی عالم میں انسان کی جسمانی ضرورتیں پورا کرنے کے لئے پہاڑوں اور آسمان کو بطور مخزن بنایا گیا ہے اور تاریکیوں کو دور کرنے کے لئے سورج اور چاند ہیں اور منزل مقصود تک پہنچنے کیلئے راستے

بتائے گئے ہیں۔ اسی طرح آئندہ روحانی انتظام کے لئے سورج اور قمر کا انتظام کیا گیا ہے۔ یہ سورج آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے اور قمر آپ کے مظہروں کا وجود ہے۔ یہ سلسلۂ انتظام اب دُنیا میں ہمیشہ قائم رہے گا۔ آیت وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ[1] کے معنے سیاقِ کلام کے لحاظ سے یہی ہیں کہ روحانی فیض رسانی میں یہ خلودِ دوام کسی کو نہیں دیا گیا اور یہ کہ اب آئندہ دنیا کی روحانی زندگی کا قیام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ساتھ ہے آپ کی موت کے ساتھ دُنیا کی موت ہے۔

چہارم:۔ یہ کہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کی اصل غرض جو توحید باری تعالیٰ اور روحانی مملکت کا قیام ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے دُنیا میں پوری کی جائیگی خواہ اسکے راستہ میں کتنی ہی روکیں کیوں نہ کھڑی کر دی جائیں۔

پنجم:۔ یہ کہ یاجوج و ماجوج کو کھولا جائیگا یعنی اُن کو آزادی دی جائے گی اور وہ سمندروں کی لہروں کی طرح تمام دُنیا میں بڑی تیزی سے پھیل جائیں گے۔

ششم:۔ اس زمانہ میں برباد شدہ بستیاں دوبارہ آباد کی جائیں گی۔

ہفتم:۔ یہ کہ یاجوج و ماجوج کی تباہی کا وعدہ جب آئیگا تو اُن کو اپنے بچانے کے لئے کوئی مہلت نہ دیجائیگی اور حیرت سے ان کی ٹکٹکی بندھ جائیگی یعنی ایک حیرت انگیز انقلاب دُنیا میں پیدا ہوگا۔

ہشتم:۔ یہ کہ دُنیا میں الفزع الاکبر یعنی بہت بڑی گھبراہٹ قائم ہوگی جس سے مومنوں کو قائم رکھا جائے گا۔

نہم:۔ یہ کہ معبودانِ باطلہ کا آخر ان خاتمہ ہوگا۔

دہم:۔ نیک بندے زمین کے وارث ہوں گے۔ خدائے وحدہٗ لاشریک تمام دُنیا کا معبود ہوگا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا وجود تمام دُنیا کے لئے باعثِ رحمت ٹھہرے گا۔ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔

یہ عالَمِ غیب سے تعلق رکھنے والی دس باتیں ہیں جو سورۃ انبیاء کا مضمون ہیں۔ یاجوج و ماجوج کے فتنۂ عظیمہ کے پیشِ نظر

[1] قرآن مجید کی بعض آیات سیاقِ کلام سے اگر الگ کی جائیں تو وہ پُرحکمت کلام ہونیکی وجہ سے ایک الگ مفہوم دیتی ہیں۔ اس قسم کی آیتوں میں سے مذکورہ بالا آیت بھی ہے۔ اس آیت سے بطور قاعدہ کلیہ یہ استدلال بھی کیا جاسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تمام انبیاء جسمانی طور پر فوت ہو گئے۔ لیکن سیاقِ کلام میں مذکورہ بالا آیت کا وہی مفہوم ہے جو اوپر بیان کیا گیا ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے یہ آیت ہے:۔
وَخَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ۔
رات اور دن کو پیدا کیا اور سورج اور چاند میں سے ہر ایک اپنے دائرہ کے اندر چکر لگا رہا ہے۔ رات سے مراد جہالت اور گمراہی کی رات ہے۔ ان آیات کا اسلوبِ بیان وضاحت سے مذکورہ بالا مفہوم کی تعیین کرتا ہے۔ مذکورہ بالا قسم کی آیات میں سے ایک آیت یہ بھی ہے:۔
لَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ
یعنی اپنے ہاتھوں سے اپنے تئیں ہلاکت میں مت ڈالو۔
اس آیت کو سیاقِ کلام سے الگ کیا جائے تو یہ ایک پُرحکمت قاعدہ کلیہ کے طور پر مفہوم دیگی یعنی جان بوجھ کر تہوّر سے کام نہ لو اور اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈالو لیکن سیاقِ کلام میں اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اگر تم خدا تعالیٰ کے راستہ میں خرچ نہیں کرو گے تو اپنے تئیں ہلاک کر دو گے۔ (سورۃ البقرہ ع۲۴)

مذکورہ بالا پیشگوئیاں جو بہت ہی عظیم الشان ہیں ان کلمات رجّی کی ہی تفسیر ہیں جن کا ذکر سورۂ کہف کے آخر میں وارد ہوا ہے۔ سورۂ انبیاء کی آیت سَاُورِیْکُمْ اٰیٰتِیْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ (یعنی میں عنقریب تمہیں اپنے نشانات دکھاؤں گا ان کے متعلق تم جلدی نہ کرو۔) اور آخری آیات اِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ۔ اِنَّهٗ یَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَیَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ۔ وَاِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِیْنٍ (یعنی میں نہیں جانتا آیا نزدیک ہے یا دُور وہ بات جس کا تمہیں وعدہ دیا جا رہا ہے۔ وہی جانتا ہے بات کا ظاہر اور جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور میں نہیں جانتا کہ شاید وہ تمہارے لئے فتنہ ہی ہو اور ایک وقت تک فائدہ کا سامان۔) صاف طور پر پتہ دے رہی ہیں کہ ان کا تعلق آئندہ زمانہ سے ہے، قریب زمانہ سے بھی اور دُور زمانہ سے بھی۔[۱] (اِذَا فُتِحَتْ یَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ یَّنْسِلُوْنَ) جب یاجوج و ماجوج کو کھولا جائے گا اور وہ سمندروں کی لہروں پر سے تمام اکنافِ عالم میں پھیل جائیں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قریب ہی وقت میں عیسائی اقوام کا مسلمانوں کے ساتھ ٹکراؤ ہوا اور وہ شکست کھا کر کچھ عرصہ کے لئے خاموش ہو گئیں لیکن اب جب انہیں مکمل آزادی حاصل ہوئی ہے اور تمام روکیں ان کے راستہ سے ہٹا دی گئی ہیں ان کا حملہ اسلام اور مسلمانوں پر نہایت ہی خطرناک ہے۔ سورۂ انبیاء میں جو پیشگوئی کی گئی ہے اس کا تعلق دونوں زمانوں کے

[۱] مذکورہ بالا اسلوبِ بیانِ عربی کا مفہوم یہی ہے کہ یہ سب باتیں ہوں گی الفاظ اِنْ اَدْرِیْ اور اَمْ اور لَعَلَّهٗ احتمال اور شک و شبہ کے مفہوم میں قطعاً استعمال نہیں ہوئے۔

ساتھ ہے۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ ان آیات میں یاجوج ماجوج کی ترقی کو ایک لحاظ سے فتنہ قرار دیا ہے اور ایک لحاظ سے متاع یعنی عارضی فائدہ کا ذریعہ۔ یہ بظاہر متضاد المعنی پیشگوئی بھی علم غیب کے عجائبات میں سے ہے۔ جس طور سے یہ پوری ہوئی ہے وہ محتاج بیان نہیں۔

سورۂ حج کا موضوع

اسی طرح سورۂ حج میں بھی ایک انقلاب عظیم کے بپا ہونے کا ذکر کیا اور بتایا گیا ہے اور اس کا تعلق بھی اسی ہزار سالہ یوم موعود سے ہی ہے۔ ملاحظہ ہو سورۂ حج کا چھٹا رکوع آیت وَیَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ یُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَاِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ۔ یعنی تجھ سے اس عذاب کے متعلق جلدی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہرگز اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرے گا۔ یقیناً تیرے رب کے نزدیک ایک دن تمہاری گنتی کے ایک ہزار سال کے برابر ہے۔ اس آیت میں اسی ایک ہزار سال کی میعاد کا حوالہ ہے جس کا ذکر سورۂ طٰہٰ میں ہو چکا ہے۔ علاوہ ازیں سورۂ حج میں بیت اللہ کے ہمیشہ محفوظ رکھے جانے کی پیشگوئی بھی ہے۔ فرماتا ہے وَمَنْ یُّرِدْ فِیْهِ بِاِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ (رکوع ۴ آیت ۲۵) یعنی جس نے بھی اس میں ظلم سے الحاد کا ارادہ کیا ہم اُسے دردناک سزا دیں گے۔ اور آخری رکوع میں فرماتا ہے اَللّٰهُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ بَصِیْرٌ۔ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ۔ یعنی اللہ تعالیٰ ملائکہ سے بھی اور لوگوں سے بھی رسول چُنتا ہے اور چُنتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ بہت ہی سُننے والا بہت ہی بینا ہے۔ جانتا ہے جو اُن کے سامنے اب ہو رہا ہے اور جو اُن کے پیچھے ہو گا اور اللہ ہی کی طرف تمام امور لوٹائے جائیں گے۔

اس آیت میں ملائکۃ اللہ اور رسولوں کے ذریعے سے اس

غرض وغایت کی حفاظت کا وعدہ ہے جس کے لئے بیت اللہ کی بنیاد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں سے بلند کی گئی چنانچہ اس سورۃ میں حج اور اس کے ارکان کا بھی ذکر ہے۔

سورۂ کہف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہی کو مجمع البحرین قرار دیا گیا ہے

غرض اسی عظیم الشان

مندرجہ بشارت پیشگوئی کے تعلق میں جو حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ خدا تعالیٰ کے وعدوں کا حوالہ دیتے ہوئے بیت اللہ کی دائمی حفاظت اور زلزلہ عظیمہ کے متعلق کی گئی ہے میرے نزدیک سورۃ کہف سے لیکر آخری سورۃ تک تمام سورتیں ایک لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ثانیہ کے زمانہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان سورتوں میں ایک طرف نئی سے نئی بشری ضرورتوں کے پیش نظر شریعت اسلامیہ کے نئے سے نئے پہلوؤں کا ذکر کیا گیا ہے اور دوسری طرف موقع و محل کی مناسبت سے انباءِ غیب کا ایک حیرت انگیز اور اتنا بڑا ذخیرہ ہے کہ اس کی وسعت کو ملحوظ رکھیں تو "کلمات ربی" کی یہ وسعت ان کو حیطۂ تحریر میں لانے کے لئے دو سمندروں کی سیاہی درکار ہونی آشکار ہو جاتی ہے۔ دراصل بحر عربی زبان میں نہ صرف سمندر اور دریا کو کہتے ہیں بلکہ علم کی وسعت کو بھی اسی لفظ "بحر" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ سورۃ کہف میں ہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مجمع البحرین کا لقب دیا گیا ہے۔ یعنی وہ ذات جہاں دنیوی علوم اور روحانی علوم اکٹھے ہو کر ان کے درمیان موافقت تامہ پیدا ہوتی ہے اور کوئی تضاد باقی نہیں رہتا۔ اس لقب میں بھی یہ پیشگوئی مضمر ہے کہ آپؐ کی ذات والا کے ذریعہ سے مادی اور روحانی علوم کے درمیان موافقت پیدا ہو کر بنی نوع انسان کیلئے آپ مشعل ہدایت بنیں گے۔ یہی وہ دو سمندر ہیں جنکی روشنائی علم غیب سے تعلق رکھنے والی باتوں کو بیان کرنے کیلئے درکار ہے جو بذریعہ وحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئیں ۔ (ختم شد)

مفتی مصر کو اپنے منصب سے فارغ کر دیا گیا

مصر کے مشہور رسالہ "المصور" نے ۱۲ مارچ ۱۹۵۲ء کی اشاعت میں لکھا ہے:- "فی الاسبوع الماضی أحیل فضیلة الاستاذ الشیخ حسنین محمد مخلوف مفتی الدیار المصریة الی المعاش، بعد ان أثار اکثر من مشکلة واکثر من أزمة"

کہ گزشتہ ہفتہ مفتی مصر الشیخ حسنین محمد مخلوف کو پنشن دیدی گئی ہے۔ انہوں نے اپنے زمانہ میں بہت سی مشکلات اور بہت سی الجھنیں پیدا کر دی تھیں" مدیر رسالہ "المصور" "مفتی مصر" کے "فتاوی عاصفة" یعنی طوفان خیز فتووں کے ذیل میں لکھتے ہیں:-

"ولم تکن فتاوی الاستاذ الشیخ مخلوف عادیة یمر علیها الانسان مر الکرام، بل ان کثیراً منها أثار زوابع وعواصف، وکان موضع القیل والقال. وفی مقدمة هذه الفتاوی: فتوی الخاص الاحتفال بالمحمل فی سفره الی الحجاز وعند عودته من هناک. وفتوی عدم الموافقة علی حکم صدر بالاعدام، استناداً الی ضعف الادلة، ولیس لای سبب آخر کما زعم ذوو الدم، وفتواه فی شأن الطائفة "القادیانیة" التی ینتسب الیها السید ظفر الله خان وزیر خارجیة الباکستان. ورأیه فی میاه احدی شرکات المیاه الغازیة. هذا الی جانب ما ابداه من آراء فی شأن "الدین والشیوعیة" عندما دعته الحکمة العسکریة للوقوف علی رایه فی هذا الشأن"

ترجمہ: الشیخ مخلوف کے فتوے ایسے عام فتوے نہ تھے جن پر انسان خاموشی کے ساتھ گذر سکے بلکہ ان میں سے بہت سے فتوے ایسے ہیں جنہوں نے ملک میں طوفان اور آندھیاں چلا دی تھیں اور ہر جگہ ان فتووں پر اعتراضات کی بوچھاڑ کی گئی۔ ان فتووں میں مقدم ترین حسب ذیل فتوے تھے (۱) حج کے موقع پر حجاز کی طرف خانہ کعبہ کیلئے محمل کے جانے اور اسی طرح واپس آنے کو ممنوع قرار دینا (۲) عدالت سے پھانسی کے ایک فیصلہ پر عدم نفت کا فتویٰ کیونکہ مفتی صاحب کے نزدیک فیصلہ کے دلائل کمزور تھے نہ اسلئے کہ اسکی کوئی اور وجہ تھی جیسا کہ مقتول کے رشتہ داروں کا خیال ہے (۳) مفتی صاحب کا وہ فتویٰ جو انہوں نے جماعت احمدیہ کے خلاف دیا تھا جس جماعت میں جناب چوہدری ظفر اللہ خان صاحب وزیر خارجہ پاکستان شامل ہیں (۴) مفتی صاحب کی وہ رائے جو پانی کی ایک کمپنی کے بارے میں انہوں نے ظاہر کی تھی۔ علاوہ ازیں ان کی وہ آراء بھی

آسمانوں پر انسانی زندگی

کیا کوئی انسان بجسدہ العنصری آسمان پر جا سکتا ہے؟

اور

وہاں جا کر اسی زمینی جسم کے ساتھ زندہ رہ سکتا ہے؟

(از جناب چوہدری احمد الدین صاحب پلیڈر، گجرات)

قبل اس کے کہ اس موضوع پر کچھ لکھا جائے یہ فیصلہ کرنا ضروری ہے کہ بروئے لغت عرب و قرآن آسمان کیا چیز ہے۔

لغت عرب میں بلند چیز کو یا جو چیز اس بلند چیز سے پیدا ہو اور زمین سے بلند ہو آسمان کہا گیا ہے اور کرۂ ہوائی کو بھی جس میں بادل بنتے ہیں اور مینہ کو بھی آسمان کا نام دیا گیا ہے۔

(۱) سماء کل شیٔ اعلاہ (۱) جو چیز کسی چیز سے بلند ہو، وہ اس کا آسمان ہے اور
وسمی المطر سماءً — چونکہ مینہ بلندی سے نکلتا
لخروجہ منھا و — ہے اسلئے اس کو بھی آسمان
سمی النبات سماءً — کہتے ہیں۔ اور زمین سے
اما لکونہ من المطر — اُگی ہوئی چیز کو یا تو اسلئے
الذی ھو السماء — آسمان کہتے ہیں کہ وہ مینہ
واما لارتفاعہ — سے پیدا ہوئی جو آسمان ہے
من الارض۔ — یا اسلئے کہ وہ زمین سے
(مفردات راغب) — بلند ہے۔

(۲) یُرْسِلِ السَّمَآءَ (۲) خدا تم پر برسنے والا مینہ عَلَیْکُمْ مِّدْرَارًا (۱۲/۲۹) بھیجتا ہے۔

قرآن کی رُو سے جس طرح زمین کے سات طبقات تہ بتہ ہیں اسی طرح آسمان بھی سات طبقات پر مشتمل ہے جو ایک دوسرے کے اُوپر ہیں۔

(۱) خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا۔ (۶۷/۲۹) — (۱) خدا نے سات آسمان طبقہ بطبقہ پیدا کئے۔

(۲) اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَھُنَّ۔ (۶۵/۱۲) — (۲) وہ خدا ہی ہے جس نے سات آسمان پیدا کئے اور اسی طرح زمین کے بھی سات طبقات بنائے۔

سات آسمانوں کی طرف سات مشہور ستارگان منسوب ہیں۔ پہلے آسمان کی طرف چاند، دوسرے کی طرف عطارد، تیسرے کی طرف زہرہ، چوتھے کی طرف سورج، پانچویں کی طرف مریخ، چھٹے کی طرف مشتری اور ساتویں کی طرف زحل منسوب ہے۔ یہ اور دیگر ستارگان اپنے اپنے فلک پر جس کو ان کا مسیر (پھرنے کی جگہ) یا مدار (گول چکر لگانے کی جگہ) کہا گیا ہے چکر

لگکتے ہیں اور وہ مدار یا مسیر کوئی مجسم چیز مثل پتھر یا لوہا یا سونا یا چاندی یا دیگر ٹھوس چیز کے نہیں ہے بلکہ ایک چیز مثل ہوا یا بخاراتِ مائی کے ہے جس میں تیرا جا سکتا ہے وہ افلاک ایسے خفیف وشفاف ہیں کہ زمین سے لیکر زحل تک ساتوں ستارگان دیکھے جا سکتے ہیں حالانکہ ساتوں طبق بر طبق اپنے اپنے آسمان پر موجود ہوتے ہیں۔

(۱) هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ	(۱) وہ خدا ہی ہے جس نے رات
اللَّیْلَ وَالنَّهَارَ وَ	اور دن اور سورج اور
الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ	چاند پیدا کئے کہ ان میں
كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ	ہر ایک اپنے مدار مسیر میں
یَّسْبَحُوْنَ۔ (۲۱/۴)	تیر رہا ہے۔

تشریح:۔

(أ) السبح: المر السریع	(أ) پانی یا ہوا میں تیز چلنے کو
فی الماء و فی الهواء	سبح (تیرنا) کہتے ہیں اور
واستعیر لمر النجوم	فلک میں ستارگان کے
فی الفلك نحو وكل	چلنے کو بطور استعارہ
فی فلك یسبحون۔	سبح کہا گیا ہے جیسا کہ
(مفرداتِ راغب)	خدا فرماتا ہے کہ ہر ایک
	ایک مدار یا مسیر میں تیر
	رہا ہے۔
(ب) الفلك مجری	(ب) فلک ستارگان کے
الکواکب۔ (مفردات)	چلنے کی جگہ کا نام ہے۔
(ج) الفلك فی کلام	(ج) کلام عرب میں ہر ایک
العرب كل شئ دائر	پھرنے والی چیز کو فلک
وجمعه افلاك	کہتے ہیں۔ اس کی جمع افلاک
واختلف العقلاء	ہے۔ اور اسکے بارہ میں
فیه قال بعضهم	عقلاء کا اختلاف ہے۔
الفلك لیس جسماً	بعض نے کہا ہے کہ فلک
انما هو مدار هذه	کوئی مجسم چیز نہیں ہے۔
النجوم وهو قول	وہ ان ستارگان کے
الضحاك۔	پھرنے کی جگہ ہے۔ اور یہ
	قولِ ضحاک ہے۔
(د) خذوا التفسیر	(د) چار آدمیوں یعنی سعید
من اربعة سعید	و مجاہد و عکرمہ و ضحاک
ومجاهد وعكرمة	سے قرآن کی تفسیر
وضحاك (قول سفیان	لو۔
ثوری علیہ الرحمۃ)	

زمانۂ حال کے عقلاء اور سائنسدان بھی کہتے ہیں کہ آسمان جو نیلگوں نظر آ رہا ہے کوئی مجسم چیز نہیں ہے بلکہ ایک خلا مثل ہوا کے ہے جو حدِ نگاہ ہے جس میں ستارگان اپنی محوری اور دوری حرکت میں مصروف ہیں۔ زمین بھی مثل ستارگان کے ایک ستارہ ہے جو ہوا میں دوری اور محوری حرکت کر رہا ہے جس سے دن اور رات اور موسم پیدا ہوتے ہیں قرآن بھی سائنسدانوں کے اس خیال کی تائید کرتا ہے۔

(۲) اَللّٰهُ الَّذِیْ یُرْسِلُ	(۲) خدا وہ ہے جو ہواؤں کو
الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ	بھیج دیتا ہے جو بادل کو
سَحَابًا فَیَبْسُطُهٗ	اٹھا دیتی ہیں پھر اس
فِی السَّمَآءِ كَیْفَ	بادل کو جس طرح چاہتا ہے
یَشَآءُ وَیَجْعَلُهٗ	آسمان میں پھیلا دیتا ہے
كِسَفًا فَتَرَی الْوَدْقَ	پھر اس کو منجمد کر دیتا ہے
یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ۔	پھر اے مخاطب! تو دیکھتا
(۳۰/۷)	ہے کہ اس میں سے قطرات
	نکلنے شروع ہو جاتے ہیں۔

تشریح:۔ اگر آسمان خالی ہوا کی طرح نہ ہو تو اس میں بادل نہیں پھیلایا جا سکتا۔ ہم ہر روز دیکھتے ہیں کہ بادل خلا یا فضا میں دھوئیں کی طرح پھیلتا ہے۔ اس خلا یا فضا کو آیۂ کریمہ ہذا میں آسمان کہا گیا ہے۔

علم نجوم کے ماہرین کا یہ بھی خیال ہے کہ بعض ستارگان

میں آدمیوں کی سی کوئی مخلوق آباد ہے، قرآن بھی اس کی تصدیق کرتا ہے۔

(۱) یُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّیْرُ صٰٓفّٰتٍ کُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِیْحَهٗ	(۱) جو لوگ آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور پرندگان ہوا میں صف بستہ اس کی تسبیح و تقدیس میں لگے ہوئے ہیں ہر ایک ان میں سے اپنی نماز اور تسبیح کو جانتا ہے۔

سوائے وسائط و ذرائع و وسائل کے کوئی مخلوق اور جو اسمار میں جس کو قرآن نے آسمان کہا ہے اُڑ کر نہیں جا سکتی اوپر اُڑنے کے وسائل کچھ تو طبعی اور قدرتی ہیں جیسے پرندوں کے پَر۔ اور کچھ مصنوعی جو قدرت کی تتبع میں انسان نے اپنی حکمت اور دانش سے ایجاد کئے ہیں جیسے ہوائی جہاز اور طیارے لیکن نہ تو پرندے اور نہ انسان ایک خاص فاصلہ یا حد کے اوپر اُڑ کر جا سکتے ہیں۔ اگر جانے کی کوشش کریں تو اوپر کی لطیف اور خفیف ہوا ان کی ہستی کے جوہر کو چوس کر فنا کر دیتی ہے۔

مونٹ ایورسٹ جو ۲۹۱۴۱ فٹ بلند کوہ ہمالیہ کی تمام دنیا کی بلندیوں سے زیادہ اونچی پہاڑی ہے اس پر چڑھنے کے لئے کئی کوہ پیمائے یورپ کی مہمیں ناکام ہیں آخر انگریزوں کی مہم تیار ہوئی۔ اس مہم کے افراد میں سے دو کس ہلاری اور ٹنسنگ اوپر کی ہلاکت آفرین ہوا کی تاثیروں سے بچنے کے لئے طبی مصالحوں سے مسلح ہو کر ۲۹ مئی ۵۳ء کو اس پہاڑی پر چڑھنے میں کامیاب ہو گئے۔ لیکن ۱۵ منٹ سے زیادہ وہاں نہ ٹھہر سکے اور نیچے اتر آئے۔

انسان کو اُڑ کر اوپر آسمان پر چڑھنے کے لئے قدرتی سامان نہیں ملے۔ اور اس کا نام بشر اسی وجہ سے ہے کہ اس کو پَر، صوف اور اُون کی قسم کے سامان نہیں دیئے گئے۔ اور وہ برہنہ چمڑے اور ہڈیوں نسوں اور گوشت کا ایک مجسمہ ہے جو ذاتی طور پر اُڑ کر آسمان پر نہیں جا سکتا اور نہ زندہ رہنے کے لئے سوائے زمین کے اس کا کوئی ٹھکانا ہے۔

(۱) البَشَرۃ ظاھر الجلد والادمۃ باطنہ وعبّر الانسان بالبشر لظھور جلدہ من الشعر بخلاف الحیوانات التی علیھا الصوف او الشعر او الوبر (مفردات راغب)	(۱) جلد کی بیرونی طرف کو بشرہ اور اندرونی طرف کو ادمہ کہتے ہیں۔ اور انسان کو اس لئے بشر کہا گیا ہے کہ اس کی جلد بالوں سے ننگی دکھائی دیتی ہے برخلاف اس کے دیگر حیوانات صوف، بالوں یا اُون سے ملبّس ہوتے ہیں۔
(۲) اَوْ تَرْقٰی فِی السَّمَآءِ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِیِّكَ حَتّٰی تُنَزِّلَ عَلَیْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا۔ ($\frac{۱۷}{۹۵}$)	(۲) یا تو (اے محمدؐ) آسمان پر چڑھ جائے۔ اور ہم تیرے آسمان پر چڑھنے کو بھی تب مانیں گے کہ تو آسمان پر سے ایک کتاب لائے جس کو ہم پڑھیں کہدے میرے رب کی ذات نقصوں اور عیبوں سے پاک ہے میں تو ایک بشر ہوں جس کو رسول بنایا گیا ہے۔

تشریح:۔ آیۂ کریمہ ہذا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آسمان پر چڑھنے کے مطالبہ کے جواب میں یہ کہنا کہ میں تو بشر ہوں، یہ ظاہر کرتا ہے کہ حضور بشر کے آسمان پر چڑھنے اور وہاں سے کتاب لانے کو امر محال خیال فرماتے تھے۔

(۳) وَلَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ - قَالَ	(۳) خدا نے کہا اے بنی آدم! تمہارا ٹھکانا اور قرارگاہ زمین ہی میں ہوگی اور زمین ہی میں

بالقوۃ تمام انسانی طاقتیں مضمر ہیں۔ پھر اس نطفہ کا استحالہ کئی شکلوں میں ہو کر مکمل انسان بن جاتا ہے۔

آیات جؔ و دؔ و ہؔ مندرجہ بالا کافۃ الناس کے متعلق ہیں جن میں مسیح علیہ السلام بھی شامل ہیں۔ تمام انسانوں کو کہا گیا ہے کہ تمہاری پیدائش کی ابتداء مٹی سے ہوتی ہے اسی طرح مسیح کی پیدائش کی ابتداء بھی مٹی سے ہوئی بلحاظ انسان ہونے کے مسیح بھی تمام حوادث کا آماجگاہ اور تمام حالاتِ طبیعیہ بشریہ کا حامل ہے۔ اگر انسان کے لئے آسمان پر ایک حد یا فاصلہ کے اُوپر جانا اور وہاں زندہ رہنا محال ہے تو مسیح ناصری کے لئے بھی محال ہے۔ کرۂ زمین کے دو بڑے حصے خشکی اور تری ہیں خشکی ۱/۴ حصہ اور تری ۳/۴ حصہ ہے۔ زمین کی خشکی کے جانور پانیوں میں زندگی نہیں بسر کر سکتے اور نہ پانی کے جانور خشکی پر زندہ رہ سکتے ہیں۔

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے فرشتے جو آسمان پر ستارگان کے نظام ہواؤں کے چلانے بخارات سے بادلوں کے وجود میں لانے اور مینہ برسانے کے کام میں حکم خداوندی کے مطابق مصروف ہیں اور خدا کی تسبیح اور تقدیس میں لگے ہوئے ہیں۔ ان کا زمین پر چلنا پھرنا محال ہے کیونکہ ان کا مقام آسمان ہے۔

(۴) وَمَا مَنَعَ النَّاسَ　(۴) جب لوگوں کے پاس

اَنْ يُّؤْمِنُوْا اِذْ	ہدایت آئی تو ان کو ایمان لانے سے مانع ہوا کہ
جَآءَهُمُ الْهُدٰى	
اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا	انہوں نے کہا کہ کیا بشر
اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا	کو خدا نے رسول بنا کر
رَّسُوْلًا۔ قُلْ لَّوْ	بھیجا ہے۔ کہدے کہ اگر
كَانَ فِي الْاَرْضِ	فرشتے زمین پر اطمینان
مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ	سے چل پھر سکتے تو
مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا	ہم آسمان سے
عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ	ایک فرشتہ رسول
مَلَكًا رَّسُوْلًا۔	بنا کر بھیجدیتے۔

(۱۷/۹۵)

(۵) وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ	(۵) ہم میں سے ہر ایک کا ایک
مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ۔	خاص مقرر و معلوم مقام
(۲۳/۱۶۴)	ہے۔ (قول جماعت انبیاء و ملائکہ)

آیۂ ہذا سورۃ الصافات کی ہے جس کے آغاز میں ایسے نفوسِ قدسیہ کی قسم کھائی گئی ہے جو پہلے خدا کی راہ میں خطراتِ ہائلہ کے درمیان مخالفین کے مقابلہ پر بنیان مرصوص کی طرح صف بستہ کھڑے ہو کر لڑتے ہیں اور صافات کی تعریف میں آتے ہیں۔ اور جب ان کو فتح نصیب ہو جاتی ہے تو پھر وہ زاجرات (زجر و توبیخ کرنے والے) کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں اور قوت کی وجہ سے ان کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا موقع مل جاتا ہے۔ فساد مٹ جاتا اور امن و امان کا دَور دورہ ہو جاتا ہے اور وہ نفوس قدسیہ تَالِيَاتِ ذِكْرًا (وحی الٰہی کی تلاوت و پیروی کرنیوالے) بن جاتے ہیں۔ اور تبلیغ حق میں بلا خطر مشغول ہو جاتے ہیں۔ وہ نفوسِ قدسیہ انبیاء اور ان کی جماعت ہوتی ہے جس کا مختصر ذکر اس سورۃ میں کیا گیا ہے۔ انبیاء کی جماعت کے ذکر کے بعد فرشتوں کا جن کو ملاء اعلےٰ (اعلیٰ سردار) کا لقب دیا گیا ہے' ذکر کیا گیا ہے۔ جن کو مخالفین خدا کی بیٹیاں تصوّر کر کے پرستش کرتے ہیں۔ فرشتوں کو بھی اس سورۃ میں جنّ (پوشیدہ مخلوق جس میں ملائکہ بوجہ پوشیدہ ہونے کے شامل ہیں) کہا گیا ہے۔ آگے جا کر خدا فرماتا ہے کہ فرشتے تو میری مخلوق ہیں اور پرستش کے لائق نہیں ہیں۔ اور انکو بازپرس کے لئے بروز جزا حاضر کیا جائے گا۔ اخیر میں بیان کیا گیا ہے کہ فرشتوں اور جماعتِ انبیاء کا قول بزبان حال یہ ہے کہ ہمارا ایک خاص مقام مقرر ہے۔ فرشتے تو زمین پر باطمینان چل پھر نہیں سکتے (۱۴/۹۷) وہ تو آسمان کی مخلوق

فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ۔ (پ۸)

تم نے ایک خاص وقت تک فائدہ اٹھانا یعنی کھانا پینا اور پہننا ہوگا۔ اسی میں تمہارا جینا اور اسی میں تمہارا مرنا ہوگا اور اسی سے تم نکالے جاؤ گے۔

تشریح:-

(ا) قال تعالیٰ مَتَاعاً إِلَىٰ حِينٍ تنبیهاً أنّ لكل انسان فی الدنیا تمتعاً لمدة معلومة... قوله فَتَحُوا مَتَاعَهُمْ اى طعامهم۔ (مفردات راغب)

(ا) خدا تعالیٰ نے "مَتَاعاً إِلَىٰ حِينٍ" فرما کر تنبیہ کی ہے کہ ہر ایک انسان نے دُنیا میں ایک مُدّت معلومہ تک فائدہ اٹھانا ہوگا۔ خدا کا یہ قول کہ فَتَحُوا مَتَاعَهُمْ (انکی متاع کو کھولا) یہ معنے رکھتا ہے کہ انہوں نے اُن کی خوراک یا طعام کو کھولا۔

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت مسیح ناصری اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ وہ عام انسانوں کی طرح نہیں ہیں، وہ بلا باپ پیدا ہوئے تو اس کا جواب یہ ہے کہ خود حضرت مسیح جا بجا انجیل میں اپنے آپ کو ابن آدم کہتے ہیں۔ وہ اور انسانوں کی طرح ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔ قرآن بھی اُن کے عام انسانوں کی طرح پیدا ہونے کی گواہی دیتا ہے۔

(ب) إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ۔ (پ۳)

(ب) عیسیٰ کا حال خدا کے نزدیک آدم (انسان) کی طرح ہے۔ اس نے اس کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر اسکو کہا ہو جا۔ پھر وہ ہو جاتا ہے۔

(ج) وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن صَلْصَالٍ مِّن طِينٍ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ۔ (پ۱۸)

(ج) یہ درست ہے کہ ہم نے انسان کو مٹی کے ست سے پیدا کیا، پھر ہم نے اسکو ایک مضبوط قرارگاہ میں بصورت نطفہ بنایا۔

(د) يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِن مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ (پ۱۷)

(د) اے لوگو! (انسانو) اگر تم بعد قیامت جی اٹھنے کی شک میں ہو تو غور کرو کہ ہم نے تم کو مٹی سے پھر نطفہ سے پھر خون بستہ سے پھر گوشت کے لوتھڑا سے جو مکمل اور نا مکمل صورت میں ہوتا ہے پیدا کیا تاکہ تم کو ہم کھول کر سمجھائیں۔

(ھ) وَلَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنَاكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ (پ۸)

(ھ) ہم نے تم کو پیدا کیا پھر ہم نے تمہاری صورت بنائی۔ پھر ہم نے فرشتوں کو کہا کہ آدم (انسان) کو سجدہ کرو (اسکی اطاعت کرو) تمام فرشتوں نے سجدہ کیا مگر شیطان نے سجدہ نہ کیا۔

ان حوالجات سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسان کے تمام جسم کے کھانے مٹی کی اندرونی طاقتیں لے کر پیدا ہوتے ہیں۔ اگر انکو مٹی کا خلاصہ یا ست کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ وہ کھانے انسان کے بدن کا جزو بنتے ہیں۔ اور جس طرح اغذیۂ انسان مٹی کا ست ہیں، اسی طرح انسان کے تمام بدن کا خلاصہ نطفہ ہے جس میں

ہیں۔ جہاں وہ تسبیح و تقدیسِ خداوند کرتے ہیں (وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ (۲/۴) ہم تیری حمد سے تسبیح و تقدیس کرتے ہیں) اس لئے ان کا قول "نَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ" (ہم تسبیح و تقدیس کرنیوالے ہیں) ہے۔ کیونکہ وہ جماعتِ انبیاء کی طرح بظاہر خدا کی راہ میں لڑائی نہیں کرتے اور جماعتِ انبیاء کا قول "اِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ" (ہم تو صف بستہ لڑنے والے ہیں) ہے۔ پس مُسَبِّحُوْن (تسبیح کرنیوالے) یعنی ملائکہ اور صافون (صف بستہ لڑنیوالے) یعنی انبیاء اور ان کی جماعت کا ایک خاص مقام مقرر ہے (فرشتوں کا آسمان اور انبیاء اور ان کی جماعت کی زمین) انبیاء علیہم السلام کے اجسام اسی زمین کی پیداوار سے معرضِ وجود میں آئے تھے جو زمینی کھانے کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے تھے۔ اور نہ وہ ایسے وجود تھے جو ہمیشہ یا غیر معمولی عرصہ کے لئے زندگی بسر کر سکیں۔ وہ تمام انسانوں کی طرح لڑکپن، جوانی اور بڑھاپے کی حالتوں اور تغیراتِ زمانی و مکانی سے مبرّا نہیں تھے۔ اگر وہ ارذل عمر تک پہنچ جائیں تو خدا کا یہ فرمودہ اُن پر صادق آتا ہے "لِکَیْلَا یَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَیْئًا" (تا کہ علم کے بعد بے علم ہو جائے)

(۱) وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ۔ (۲۱/۸)

(۱) اے پیغمبر! تجھ سے پہلے ہم نے جو رسول بھیجے وہ مرد ہی تھے۔ صرف اتنا فرق تھا کہ ہم ان کی طرف بذریعہ وحی پیغام بھیجتے تھے۔ اگر تم کو معلوم نہیں تو اہل الذکر یعنی اگلے آسمانی نوشتوں کے پرچار کرنے والوں سے پوچھ لو۔ اور ہم نے ان پیغمبروں کے جسم ایسے نہیں بنائے تھے کہ وہ کھانا نہ کھائیں اور نہ وہ ہمیشہ یا طویل مدت تک رہنے والے تھے۔

تشریح :-

(ا) وکل ما یتباطئ عنه التغیر و الفساد تصفه العرب بالخلود کقولهم للاثافی خوالد وذلك لطول مکثها لا لدوام بقاءها و دابّة المخلد هی التی تبقی ثنایاها حتی تخرج رباعیها واصل المخلد الذی یبقی مدةً طویلةً۔ مفردات (راغب)

(ا) ہر ایک چیز جس کے تغیر اور فاسد ہونے میں دیر لگے اہل عرب اس کے دیر لگنے کو خلود کہتے ہیں۔ اسی واسطے چولھے کے تینوں پتھروں کو خوالد (دیر تک رہنے والے) کہا گیا ہے۔ اسلئے کہ وہ دیر تک باقی رہتے نہ اسلئے کہ وہ ہمیشہ کے لئے زندہ رہے۔ مخلدہ اس زمین پر چلنے والے حیوان کو کہتے ہیں کہ اسکے اگلے دو دانت قائم رہیں۔ یہاں تک کہ اسکے چار دانت پورے ہو جائیں۔ اصل میں مخلد اُس آدمی کو کہتے ہیں جو لمبی عمر تک زندہ رہے۔

چونکہ انبیاء تبلیغ حق کے لئے آتے ہیں اسلئے وہ ایسی ارذل عمر تک نہیں پہنچتے کہ وہ تبلیغ کے ناقابل ہو جائیں۔

(۲) وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ

(۲) انہوں نے کہا کہ کیوں یہ رسول کھانا کھاتا اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ اس کی طرف کوئی

لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مَلَکٌ فَیَکُوْنَ مَعَہٗ نَذِیْرًا (۲۵/۸)
فرشتہ کیوں نہیں اُتارا گیا تا کہ اسکے ساتھ مل کر لوگوں کو عذاب سے ڈراتا۔

(۳) وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَکَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّآ اِنَّہُمْ لَیَاْکُلُوْنَ الطَّعَامَ وَیَمْشُوْنَ فِی الْاَسْوَاقِ۔ (۲۵/۲۲)
(۳) اے پیغمبر! تجھ سے پہلے جتنے رسول ہم نے بھیجے وہ سب کھانا کھاتے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔

(۴) کَانَا یَاْکُلٰنِ الطَّعَامَ (۵/۷۶)
(۴) مسیحؑ اور اس کی والدہ مریم کھانا کھاتے تھے۔

(۵) وَمَنْ نُّعَمِّرْہُ نُنَکِّسْہُ فِی الْخَلْقِ (۳۶/۶۸)
(۵) جس کو ہم لمبی عمر دیتے ہیں اس کو پیدائش میں الٹا دیتے ہیں۔

(۶) وَمِنْکُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰی وَمِنْکُمْ مَّنْ یُّرَدُّ اِلٰٓی اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِکَیْلَا یَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَیْئًا۔ (۲۲/۵)
(۶) تم میں سے کوئی تو مر جاتا ہے اور کوئی بڑھاپے کی وجہ سے نکمی اور بدترین عمر کی طرف لوٹایا جاتا ہے تاکہ علم کے بعد بے علم ہو جائے۔

تعجب ہے کہ اِن زمینی اور فلکیاتی علوم اور حیرت ناک ترقیات وصنعت وحرفت کے زمانہ میں یہودی قوم کا جو ایشیا اور یورپ کے ممالک میں پھیلے ہوئے ہیں (اور بعض ان میں سے علوم وحکمت کے ماہر ہیں اور حکومتوں کے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں) یہ مذہبی اعتقاد ہے کہ ایلیاہ نبی اسی زمینی جسم کے ساتھ آسمان پر اٹھایا گیا تھا وہ پھر زمین پر اسی جسم کے ساتھ نازل ہوگا اور اس کے نزول کے بعد اس کی امداد کے لئے مسیح پیدا ہوگا جو یہودی مذہب کی اشاعت کریگا اور حضرت داؤدؑ کا تخت وتاج ان کو دلادیگا۔ کئی ہزار سال سے ایلیاہ نبی کے نزول کا انتظار ہے۔ نہ وہ آسمان سے نازل ہوا اور نہ کوئی مسیح پیدا ہوا۔ جب مسیح ناصریؑ نے مسیح موعود ہونیکا دعویٰ کیا اس کی بدیں وجہ تکذیب کی گئی کہ ابھی تک ایلیاہ نبی آسمان سے نازل نہیں ہوا۔ اور جب تک وہ نازل نہ ہو مسیحؑ نہیں آسکتا۔ حضرت مسیحؑ ناصری نے اُن کو سمجھایا کہ ایلیاہ نبی آسمان پر نہیں گیا۔ وہ فوت ہو چکا ہے اور اس کے نزول سے مراد اس کے مثیل کا ظہور ہے جو ظاہر ہو چکا ہے اور وہ یوحنا (یحییٰ نبی) ہے۔ یہودیوں کے علماء اور مشائخ جو صدوقی اور فریسی کہلاتے تھے حضرت مسیحؑ ناصری کو ساتھ لیکر یوحنا کے پاس (جو اُس وقت زندہ تھا) آئے اور اس سے پوچھا کہ تمہارا کیا نام ہے؟ اس نے کہا کہ میرا نام یوحنا ہے۔ پھر انہوں نے دوسرا سوال کیا کہ کیا تم ایلیاہ کہلاتے ہو؟ اس نے نفی میں جواب دیا۔ تو یہودی مسیحؑ ناصری کے سخت مخالف اور درپئے جان ہو گئے اور آخر اس پر مقدمہ کھڑا کر کے حاکم وقت سے جو پیلاطوس کہلاتا تھا صلیب پر چڑھا کر اس کے قتل کا فتویٰ لیا اور اپنے خیال میں اُسے صلیب پر چڑھا کر مار دیا۔ اور اعلان کیا کہ چونکہ عہد نامہ عتیق کے مطابق جو کاٹھ پر لٹکایا جائے وہ لعنتی ہوتا ہے اور جھوٹا نبی قتل کیا جاتا ہے اسلئے مسیحؑ ناصری مدعی رسالت (معاذ اللہ) جھوٹا اور لعنتی تھا۔

عیسائیوں نے تسلیم کر لیا کہ مسیحؑ ناصری صلیبی موت مرا مگر مرنے کے بعد اسی جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر اُٹھایا گیا اور چونکہ کوئی شخص گناہ سے نہیں بچ سکتا اسلئے مسیحؑ کی صلیبی موت اس کے پیروؤں کے گناہوں کا کفارہ ہوئی۔ وہ عیسائی مذہب کی ترویج اور غلبہ کے لئے پھر آسمان سے نازل ہوگا۔

ابتداء فتوحاتِ اسلام میں جب کہ مسلمانوں نے شام و روم جیسے عیسائی ملکوں پر قبضہ کیا جہاں عیسائی علماء اپنے پاس عیسائی لٹریچر بکثرت رکھتے تھے۔ بہت سے عیسائی جن میں علماء بھی شامل تھے مسلمان ہو گئے تو اُن کے خیالات اور مذہبی لٹریچر سے متاثر ہو کر سطحی خیال کے مسلمان علماء نے بلا تحقیقات وتدبر مندرجہ ذیل آیاتِ قرآن میں رفع کے معنے مسیحؑ ناصری کے

آسمان پر اُٹھائے جانے کے کر کے یہ عقیدہ بنا لیا کہ وہ زندہ بجسدہ العنصری اُٹھایا گیا۔ ان کے اور عیسائیوں کے عقیدہ میں یہ فرق رہ گیا کہ عیسائیوں کا خیال ہے کہ وہ صلیب پر جان دے کر پھر زمینی جسم کے ساتھ آسمان پر اُٹھایا گیا' اور مسلمان علماء کا عقیدہ ہے کہ وہ بذریعہ صلیب قتل نہیں ہوا تھا اور زندہ آسمان پر اٹھایا گیا تھا۔ قرآن میں کہیں درج نہیں ہے کہ مسیح آسمان پر اُٹھایا گیا بلکہ وہ اسکی موت کی صاف شہادت دیتا ہے۔

(۱) يَا عِيسَىٰ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ - (۳/۴۸)

(۱) اے عیسیٰ میں تجھے وفات دوں گا اور اپنی طرف اٹھاؤں گا۔

تشریح:- آیۂ ہذا میں " مُتَوَفِّيكَ " جس کے معنے ابن عباس رضؓ جیسے بلند پایہ عالم قرآن اور مفسر صحابی چچا زاد آنحضرت ؐ نے مُمِيتُكَ (میں تجھے وفات دوں گا) کئے ہیں' پہلے آیا ہے اور " رَافِعُكَ " اسکے بعد آیا ہے جس کے صاف معنے یہ ہیں کہ وفات کے بعد مسیح کا رفع الی اللہ ہوا۔ یعنی اس نے تقرب' عزت کا شرف بدرگاہ خداوندی حاصل کیا۔

(۲) إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ ...... وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا - بَل رَّفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ (۴/۱۵۶)

(۲) یہودیوں نے کہا کہ ہم نے مسیح ابن مریم کو جو رسول اللہ کہلاتا تھا قتل کر دیا تھا ...... مسیح کو انہوں نے یقیناً قتل نہیں کیا تھا۔ بلکہ خدا نے اسکو اپنی طرف اُٹھا لیا۔

تشریح:- آیۂ ہذا میں یہودیوں نے مسیح کے قتل کا جو مجرمانہ فعل ہے اقبال اسلئے نہیں کیا کہ وہ محض قتل کو ایک مستحسن فعل تصور کرتے تھے اور اس کو کارِ ثواب اور باعثِ فخر جانتے تھے۔ بلکہ وہ اپنے عقیدہ کے مطابق کہ جھوٹا نبی قتل کیا جاتا ہے اور مصلوب لعنتی ہوتا ہے اور تقرب و شرف بدرگاہِ باری اس کو حاصل نہیں ہوتا۔ مسیح کو معاذ اللہ لعنتی ثابت کرنا چاہتے تھے۔ خدا نے ان کے اصلی الزام کی تردید کر کے یہ فرمایا کہ میں نے اس کا رفع اپنی طرف کیا اور اس کو تقرب و شرف بخشا۔ ویسے کوئی شخص بے گناہ قتل ہونے سے قابلِ الزام نہیں ٹھہرتا۔ بلکہ خدا کے نزدیک شہادت کا رُتبہ پاتا ہے۔ لہذا خدا کو مسیح کے بے گناہ قتل ہونے کی تردید کرنا مقصود نہیں تھا بلکہ یہودیوں کے اس خیال کی تردید کرنا مقصود تھا کہ وہ معاذ اللہ لعنتی اور دُور از بارگاہِ یزدانی ہوا۔

اب دیکھئے کہ رفع کے معنے لغت عرب اور قرآن نے کیا کئے ہیں۔

(۱) وقولهٗ بَل رَّفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ يحتمل رفعه الى السماء ورفعه من حيث التشريف وقوله وَفُرُشٍ مَّرْفُوعَةٍ اى شريفة وكذا قولهٗ فِي صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ مَّرْفُوعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ وقولهٗ فِي بُيُوتٍ اَذِنَ اللَّهُ اَن تُرْفَعَ اى تشرف (مفرداتِ راغب)

(۱) خدا کے اس قول سے کہ خدا نے مسیح کو اپنی طرف اٹھایا یہ بھی احتمال ہوتا ہے کہ... اس کو عزت و شرف سے نوازا اور بلند مرتبہ عطا کیا۔ اور خدا کے قول "وَفُرُشٍ مَّرْفُوعَةٍ" کے معنے ہیں عزو شرف کی مالک عورات۔ اسی طرح خدا کا یہ قول ہے کہ قرآن قابلِ عزت' بلند پایہ اور پاک صحیفوں پر مشتمل ہے۔ اور خدا کا یہ بھی قول ہے کہ وہ مردانِ خدا ایسے گھروں میں سکونت پذیر ہیں جن کے رفع یعنی عزو شرف بخشنے کی خدا نے اجازت دی ہے۔

(۲) وَاتْلُ عَلَيْهِمْ (۲) اے پیغمبر! تو ان لوگوں
نَبَاَ الَّذِیْٓ اٰتَيْنٰهُ کو اس شخص کا حال پڑھکر
اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ سنا جس کو ہم نے نشان
مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ دیئے مگر وہ ان نشانوں
الشَّيْطٰنُ فَكَانَ کے لباس سے خود معرّا
مِنَ الْغٰوِيْنَ ۝ وَ ہوگیا۔ پھر شیطان نے
لَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ اس کو اپنے پیچھے لگایا
بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ پھر وہ گمراہ ہوگیا۔ اگر
اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ ہم چاہتے تو ان نشانوں
وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ۔ کے ذریعہ سے ہم اسکو
(۹/۱۷۵) بلند کرتے مگر وہ خود
زمین کی طرف مائل ہوگیا اور
اس نے اپنی نفسانی خواہش
کی پیروی کی۔

تشریح:۔ جو لوگ خدا کے نشانوں کو جو رفع الی اللہ اور درجات کی بلندی کا ذریعہ ہوتے ہیں چھوڑ دیتے ہیں اور شیطان کے پیرو ہو جاتے ہیں اور اخلاد الی الارض یعنی سفلی زندگی اختیار کرلیتے ہیں ان کا رفع نہیں ہوتا اور وہ بدرگاہِ خداوندی عز و شرف حاصل نہیں کرتے۔ پس معلوم ہوا کہ رفع الی اللہ کے معنے قرآنی اصطلاح میں تقرب و شرفِ الٰہی ہیں۔ اور خلود الی الارض رفع کی ضد ہے جس کے معنے میلان بزندگی سفلی ہیں۔ جو لوگ بل رفعہ اللہ الیہ کے معنے آسمان کی طرف اٹھائے جانے کے کرتے ہیں انکو سوچنا چاہیئے کہ آیۂ کریمہ میں خدا کی طرف رفع ہونا آیا ہے نہ کہ آسمان کی طرف۔ اور خدا کی کوئی خاص طرف مقرر کرنی اس کی ذات وصفات کے شایاں نہیں ہے' وہ جہاں بھی ہم ہوں ہمارے ساتھ ہے' وہ شہ رگ سے زیادہ نزدیک ہے۔ ہم جہاں متوجہ ہوں وہاں اس کی ذات پاک موجود ہوتی ہے۔ ظاہر بھی وہ ہے اور باطن بھی ہے۔ اگر تین آدمی کوئی مشورہ کرتے ہیں تو چوتھا وہ ہے

(ا) هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَمَا (ا) جہاں بھی وہ ہوں
كَانُوْا (۲۸/۸) وہ انکے ساتھ ہوتا ہے۔
(ب) نَحْنُ اَقْرَبُ (ب) ہم شہ رگ سے
اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ بھی زیادہ اس کے
الْوَرِيْدِ۔ (۲۶/۱۵) قریب ہیں۔
(ج) اَيْنَمَا تُوَلُّوْا (ج) جہاں تم متوجہ ہو
فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ وہاں خدا کی ذات
(۲/۱۰۹) کو پاؤگے۔
(د) مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى (د) اگر تین آدمی کوئی
ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ مشورہ کرتے ہوں
رَابِعُهُمْ (۲۸/۸) تو چوتھا وہ (خدا)
ہوتا ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ رفع بلندی کو چاہتا ہے اسلئے قرینہ یہ ہے کہ مسیحؑ بلند مقام یعنی آسمان پر اٹھایا گیا تو اس کا جواب آیۂ کریمہ "واتلُ علیهم نبأ الذی اٰتینٰه اٰیٰتنا۔ الخ" نے دیدیا ہے اور آیات کریمہ بقول امام راغبؒ "صحفٍ مرفوعة" "وفرشٍ مرفوعة" اور "فی بیوتٍ اذن اللّٰه ان ترفع" اس پر شواہد ناطق ہیں۔ پس قرآن کے صحیفے اور اہلِ جنت کی عورات اور مردانِ خدا کے گھر بوجہ رفعت آسمان پر ہیں۔

پس مسیح کا آسمان پر اٹھایا جانا ثابت نہیں ہوتا اور ابن عباسؓ جیسے صحابی نے اس کی موت کا فتویٰ دیدیا ہے اگر باوجود ان دلائلِ بیّنہ مبنی بر لغت عرب و قرآن مجید کے بعض سادہ دل مسلمان مسیحؑ کے آسمان پر اٹھائے جانیکے عقیدہ پر مصر ہوں تو وہ امورِ ذیل پر غور کریں۔ اگر ہوسکے تو جواب دیں۔

(ا) اوپر کے حوالجات لغت و قرآن سے ثابت ہے کہ آسمان ایک ہوائی کرّہ سات تہ بتہ طبقات پر مشتمل ہے جس میں ستارگان مثل چاند اور سورج وغیرہ کے تیر رہے ہیں اور اپنی محوری اور دوری حرکات میں

باقاعدہ منہمک ہیں اور الٰہی انتظام میں ایسے جکڑے ہوئے ہیں کہ ایک دوسرے سے متصادم نہیں ہوتے۔ سات طبقات کے مابین کوئی حد فاصل بُعد اتنا بھی نہیں ہے کہ زمین میں بیٹھ کر ان کے دیکھنے کی مانع ہو۔ کیونکہ ہر ایک طبقہ میں جو ستارگان ہیں وہ زمین سے کھلی آنکھ یا بذریعہ دوربین اچھی طرح دکھائی دیتے ہیں۔ سات طبقات بوجہ ہوائی تاثیرات یا وجود ستارگان کے نامزد ہیں۔ اب بتایئے کہ حضرت مسیح کسی ہوائی طبقہ میں رہتے ہیں یا ستارگان میں بود و باش رکھتے ہیں۔ ہوائی طبقوں کی ہوا ایسی خفیف اور خشک ہے کہ وہاں زمینی گوشت و پوست والا جسم زندہ نہیں رہ سکتا اور نہ وہاں انسانی زندگی کے سامان مثل خوراک وغیرہ ہیں جن کو زمینی وجود کام میں لاکر زندگی بسر کر سکے چونکہ انبیاء کے جسم جن میں حضرت مسیح بھی شامل ہیں ایسے نہیں بنائے گئے تھے کہ وہ خوراک کے بغیر زندہ رہ سکیں اسلئے حضرت مسیح کو جو عنصری جسم کے ساتھ بیان ہوتے ہیں زمینی خوراک بھی ضروری ہے جس کے بغیر زندگی محال ہے ان کی خوراک کا کیا انتظام ہے؟ اگر کوئی انتظام نہیں تو وہ اس سنت خداوندی سے کیوں مستثنیٰ ہو گئے کہ بغیر خوراک ارضی کے کوئی انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ پس عقل انسانی قبول نہیں کر سکتی کہ حضرت مسیح کسی طبقہ ہوائی میں ہیں۔

اگر وہ کسی ستارہ میں سکونت پذیر ہیں تو بھی اُن کے زمینی وجود کے لئے زمینی خوراک کی ضرورت ہے، اس خوراک کا وہاں کیا انتظام ہے؟ اگر کوئی انتظام نہیں اور نہ ثابت ہو سکتا ہے تو پھر وہ کیوں کر زندہ ہیں؟ یہ بھی دیکھنا ضروری ہے کہ جس ستارہ میں حضرت مسیح مقیم ہیں اس میں کوئی آبادی بھی ہے یا نہیں؟ کیونکہ ابھی تک مریخ ستارہ میں جو پانچویں سماوی طبقہ میں بیان ہوتا ہے بذریعہ دوربین ایسے آدمی دیکھے گئے ہیں جن کی حیوانوں کی طرح دُم بھی ہے باقی ستارگان میں نجوم کے علماء نے ابھی تک آبادی کا سراغ نہیں لگایا۔ اگر مسیح علیہ السلام والے ستارہ میں آبادی ہی کوئی نہیں تو ان کی زندگی کے دن اکیلے کس طرح کٹتے ہیں؟

(۲) اگر حضرت مسیح اسی ارضی جسم کے ساتھ ۱۹ سو سال سے اوپر زندہ ہیں تو وہاں وہ کیا کام کرتے ہیں کیونکہ بیکار رہنا نبی کا کام نہیں اور نہ بیکاری میں زندگی بسر ہو سکتی ہے۔ نبی رسالت کے حامل ہوتے ہیں، ان کا کام تبلیغ حق ہوتا ہے، وہاں وہ کس کو تبلیغ کرتے ہیں؟

(الف) وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ - (۴/۶۴)	(الف) ہم نے ہر رسول کو اسلئے بھیجا کہ وہ تبلیغ کرے اور لوگ خدا کے اذن سے اسکی اطاعت کریں۔
(ب) فَهَلْ عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ - (۱۶/۳۶)	(ب) رسولوں کا یہی فرض ہے کہ وہ کھول کر تبلیغ کریں۔

(۳) حضرت مسیح کا قول قرآن میں درج ہے کہ خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ جب تک میں زندہ رہوں زکوٰۃ دیتا رہوں۔ اگر وہ آسمان پر زندہ ہیں تو حکم خداوندی کے مطابق وہ کس کو وہاں زکوٰۃ دیتے ہیں؟ زکوٰۃ مال کی ہوتی ہے اگر وہ آسمان پر زندہ ہیں تو مال کس طرح حاصل کرتے ہیں؟ اگر حاصل نہیں کرتے یا حاصل نہیں کر سکتے تو خدا کے حکم کی کہ وہ عمر بھر زکوٰۃ دیتے رہیں کیوں کر تعمیل کریں۔ جس کی تعمیل کرنا ان کا فرض گردانا گیا ہے۔ ان کو زکوٰۃ کا حکم دینا یہ معنے رکھتا ہے کہ وہ جب تک زندہ رہیں مال زکوٰۃ کمائیں اور اس میں سے غرباء اور مساکین کی دستگیری اور حاجت روائی کے لئے زکوٰۃ دیں۔

(ل) اَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوۃِ (ل) خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ
وَالزَّکٰوۃِ مَادُمْتُ جب تک زندہ رہوں نماز
حَیًّا۔ ($\frac{19}{32}$) پڑھتا اور زکوٰۃ دیتا رہوں۔

(۴) کھانا کھانا فنا ہونیکی دلیل ہے۔ کھانا کھانیوالا وجود فانی ہوتا ہے۔ اسکو خلود حاصل نہیں ہوتا جیسا کہ اوپر قرآنی آیات کا حوالہ دیکر ثابت کیا گیا ہے تمام انبیاء کھانا کھاتے تھے اور حضرت مسیح بھی کھانا کھاتے تھے۔ اسلئے جملہ انبیاء جن میں حضرت مسیح بھی شامل ہیں فانی تھے (اور فوت ہوگئے) اور انکو خلود جس کے معنے ایک لمبے عرصہ تک زندہ رہنے کے ہیں حاصل نہیں تھا۔ انیس سو سال کا زمانہ ایک غیر معمولی لمبا زمانہ ہے جو خلود کی تعریف میں آتا ہے اسلئے اس خدائی کلیہ قاعدہ کو کہ کسی نبی کو خلود حاصل نہیں تھا مدنظر رکھتے ہوئے عقل انسانی کس طرح قبول کر سکتی ہے کہ حضرت مسیح انیس سو سال سے بغیر زمینی کھانے کے زندہ ہیں؟

(۵) خدا کی سنت مستمرہ ہے کہ جس آدمی کو غیر معمولی لمبی عمر دی جاتی ہے وہ خلقت کے ابتدائی مراحل (بچپن) پر لوٹ کر دانائی کے بعد نادانی کا مظہر بن جاتا ہے اور بوجہ ضعف و نقاہت کے بیکار ہو جاتا ہے حضرت مسیح اس قانون الٰہی کی زد سے کیوں مستثنیٰ ہیں کہ وہ اسی عنصری جسم کے ساتھ انیس سو سال سے زندہ ہیں اور انکی نسبت سادہ دل مسلمانوں کا خیال ہے کہ وہ پھر اسی زمینی جسم کے ساتھ جو یہاں سے لیکر گئے تھے نازل ہوں گے۔ قرآن کی جو عربی زبان میں ہے باوجود غیر عرب ہونیکے تبلیغ و اشاعت کرینگے۔ پھر شادی بھی کرینگے، ان کی اولاد بھی باوجود انیس سو سالہ پیر فرتوت ہونیکے ہوگی اور پھر کافی عرصہ تک زمین میں بود و باش کرکے فوت ہو جائیں گے؟

(۶) خدا نے بنی آدم کو مخاطب کرکے صاف طور پر فرمایا کہ تمہارا ٹھکانا زمین میں ہی ہوگا یہیں تم زندہ رہ سکو گے اور یہیں تم مرو گے اور یہاں سے تم بروز قیامت اٹھائے جاؤ گے۔ حضرت مسیح بھی جو اور انسانوں کی طرح حضرت مریم کے پیٹ سے پیدا ہوئے اور بارہا انجیل میں اپنے آپکو ابن آدم کہہ چکے ہیں بنی آدم ہو کر اس کے فرمودہ الٰہی سے کیوں باہر ہیں؟

(۷) اس زمانہ میں اعلیٰ تعلیم یافتہ مسلمان جن میں سے کچھ سر سید کے اور کچھ علامہ اقبال کے پیرو ہیں اور کچھ اہل قرآن اور سوشلسٹ ہیں مسیح علیہ السلام کے رفع الی السماء اور حیات کے قائل نہیں ہیں اور علماء کے گروہ میں سے اکثر دل میں وفات کے ہی قائل ہیں مگر چونکہ وہ عربی کتب تفاسیر حوالہ جات نکال نکال کر ڈنکے کی چوٹ اعلان کر چکے ہیں کہ حضرت مسیح زندہ آسمان پر ہیں اسلئے اب وہ علی الاعلان یہ نہیں کہہ سکتے کہ از روئے قرآن وہ وفات پا چکے ہیں اور آسمان پر نہیں اٹھائے گئے۔

مصر کی ازہر یونیورسٹی جو عربی علوم و فنون کی قدیم ترین اور لاثانی درسگاہ ہے جس میں تمام دنیا کے طلباء علوم عربیہ تعلیم پاتے ہیں اسکے جید اور سرکردہ علماء سے بذریعہ تحریر ایک برطانوی فوجی مسلمان افسر نے دنیا کی جنگ عظیم دوم کے ایام میں پوچھا کہ از روئے قرآن حضرت مسیح زندہ آسمان پر اٹھائے گئے تھے یا کہ وہ فوت ہو چکے ہیں۔ اور کہ جو شخص مسلمان کہلاتے ہوئے وفات مسیح کا قائل ہو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے یا نہیں؟ فاضل نامور مگر جید علماء یونیورسٹی مذکور نے تحریری فتویٰ بدلائل بینہ دیا کہ حضرت مسیح بروئے قرآن فوت ہو چکے ہیں وہ زندہ بجسدہ العنصری آسمان پر نہیں اٹھائے گئے اور کہ جو مسلمان انکی وفات کا قائل ہو وہ اس اعتقاد کی وجہ سے دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہو جاتا۔ اس تاریخی فتویٰ کے ہوتے ہوئے جو عربی اخبارات اور پنجاب کے اردو اخبارات میں چھپ چکا ہے اس مضمون پر خامہ فرسائی کرنا تحصیل حاصل ہے مگر چونکہ یہ عقیدہ قرآن کی صداقت پر تبر چلاتا ہے اور یہ اعتقاد رکھتے ہوئے اہل اسلام زمانہ حال کے ماہرین علوم سائنس دانوں اور حکماء کے سامنے حقانیت قرآن کو ثابت کرنے میں ناکام رہتے ہیں اور عیسائی مذہب کو تقویت پہنچتی ہے اسلئے میں نے یہ چند سطور لکھنے کی ضرورت بھی ہے۔ وما توفیقی الا باللہ ✽